تعلیم و تربیت
رانی کا کارنامہ
صفحہ نمبر 57
مئی 2017

تعلیم و تربیت

مئی 2017ء

اس شمارے میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ایک دفعہ کا ذکر ہے، ایک آدمی بہت کنجوس اور شیخی خور تھا۔ اسے کہیں سے دُنبے کی چکی کا ٹکڑا مل گیا۔ وہ روزانہ صبح اٹھتے ہی اپنی موچھیں دُنبے کی چکنائی سے چکنی کرتا اور اکڑتا پھرتا تھا، کبھی امیروں کی محفل میں جاتا اور کبھی دولت مندوں کی محفلوں میں جا کر شیخی بگھارتا اور کہتا کہ آج تو بڑے مرغن کھانے کھائے ہیں...... بہت مزا آیا۔ لوگ اس کی بات کا یقین کر لیتے۔

جب جب وہ شخص اپنی جھوٹی امیری کا ڈھنڈورا پیٹتا، اس کا معدہ اللہ سے دعا کرتا کہ یا اللہ اس شیخی خور کی حقیقت لوگوں پر ظاہر کر دے۔ آخر اللہ نے اس کے معدے کی فریاد سن لی اور ایک روز اس جھوٹے شخص کے مکان میں ایک بلی گھس آئی اور دُنبے کی چکی کا ٹکڑا منہ میں دبا کر بھاگ گئی۔ اب اس شخص کے بچے نے دولت مندوں کی محفل میں اپنے باپ کو اونچی آواز میں اطلاع دی کہ دُنبے کی چکی کا وہ ٹکڑا جس سے آپ روزانہ اپنی موچھیں چکنی کیا کرتے تھے، ایک بلی منہ میں دبا کر لے گئی ہے۔ میں نے اسے پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر وہ بھاگ گئی۔ بچے کے یہ کلمات سنتے تھے کہ اس شخص کا رنگ فق ہو گیا۔ محفل میں بیٹھے تمام لوگ بڑے حیران ہوئے، بعض تو بے اختیار ہنس پڑے۔ مگر کسی نے اس سے کچھ نہ کہا۔ وہ خود ہی اتنا شرمندہ ہوا کہ کسی سے آنکھیں نہ ملا سکا۔ ان لوگوں نے اس کی ندامت دُور کرنے کے لیے اس کی خوب دعوتیں کیں، اسے خوب کھلایا پلایا اور اس کا پیٹ بھرا۔ اس نے لوگوں کا ایسا رویہ دیکھا تو اس شخص نے شیخی چھوڑ کر سچائی کو اپنا لیا۔ پیارے بچو! جھوٹ بولنا اور شیخی بگھارنا بہت بڑی لعنت ہے۔ جھوٹا آدمی ہر جگہ شرمندہ اور نادم ہوتا ہے اور عزت جاتی رہتی ہے لہٰذا سچائی ہی میں عزت اور دل کا سکون ہے۔

پیارے اور عزیز ساتھیو! مئی کے آخر میں رمضان المبارک کے متبرک مہینے کا آغاز ہو جائے گا۔ آپ کو ماہِ صیام مبارک ہو۔ روزہ ہر بالغ مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ لہٰذا پورے روزے رکھیے اور ماہِ صیام کی برکتوں اور ابدی نعمتوں سے فیض یاب ہوں۔ آمین ثم آمین۔

فی امان اللہ

ایڈیٹر، پبلشر: ظہیر سلام

اسسٹنٹ ایڈیٹر: عابدہ اصغر

سرکولیشن اسسٹنٹ: محمد بشیر راہی

خط و کتابت کا پتا

ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-36278816
E-mail:tot.tarbiatfs@gmail.com
tot tarbiatfs@live com

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ: فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
ہیڈ آفس و شوروم: 81۔ ڈی/1، مین بلیوارڈ، گلبرگ، لاہور۔

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361309-36361310 فیکس: 36278816

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک)= 1000 روپے۔
مشرقِ وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے)= 2400 روپے۔
ایشیا، افریقہ، یورپ (ہوائی ڈاک سے)= 2400 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرقِ بعید (ہوائی ڈاک سے)= 2800 روپے۔

قیمت فی پرچہ: 35 روپے

حمد باری تعالیٰ

لفظ کُن سے پیدا فرمایا ہے یہ سارا نظام
یہ زمین و آسماں ، یہ چاند تارے صبح و شام

اک طرف میداں بنائے اک طرف کہسار ہیں
ذرّے ذرّے میں مرے مولا تیرے انوار ہیں

رات کو تو نے بنایا استراحت کے لیے
دن کو پیدا کر دیا محنت مشقت کے لیے

ساری مخلوقات کا روزی رسا ہے بالیقیں
سب جہانوں میں مرے مولا ترا ثانی نہیں

تو نے انسان کو بنایا ایک شاہکارِ عظیم
تو عبادت کے ہے لائق اے مرے رب کریم

اس میں کوئی شک نہیں تو منبع انوار ہے
یہ ہے تیری شان کہ توبہ گھڑی بیدار ہے

بخش دے میرے گناہوں کو اے میرے کبریا
ہے قمر ناچیز کی تجھ سے خدایا ...... التجا

کُن: وجود میں آجا، اللہ تعالیٰ کو جب عالم کو پیدا کرنا منظور ہوا تو یہ لفظ فرمایا
استراحت: آرام
روزی رسا: رزق دینے والا، اللہ کی ذات
منبع: ذریعہ
انوار: نور کی جمع

نعت رسولِ مقبول ﷺ

آپؐ کی ذاتِ مبارک روشنی ہی روشنی
آپؐ ہی لاریب ہیں روحِ رواں زندگی

آپؐ کو اعزاز بخشا ہے خدائے پاک نے
آپؐ کی اُمت یقیناً بالیقیں ہے جنتی

اس سے ظاہر ہوگیا ہے آپؐ کا اعلیٰ مقام
کی امامت آپؐ نے سارے نبی تھے مقتدی

ہیں ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ بالیقیں
ہر طرح ہم مرتبہ ہیں چاروں یارانِ نبیؐ

جو درودِ پاک سے کرتا ہے ان سے رابطہ
ہر طرح سے پر سکوں گزری ہے اس کی زندگی

زندگی میں وہ کبھی ناکام ہو سکتا نہیں
گنبدِ خضریٰ سے ہے جس شخص کی وابستگی

آپؐ نے بخشی ہے عزت مفلس و نادار کو
کی ہے سب بے چارگاں کی آپؐ نے چارہ گری

لاریب: ہمیشہ رہنے والا
مقتدی: نماز پڑھنے والے
گنبدِ خضریٰ: مسجد نبویؐ کا سبز گنبد
چارہ گری: کام بنانے والا

ریاض حسین قمر

پیارے بچو! ماہِ رمضان بڑا مبارک مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام مہینوں پر فضلیت عطا فرمائی ہے۔ بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو یہ مہینہ نصیب ہوتا ہے۔ اس مہینے میں ہم اپنے مالک و آقا کو راضی کرنے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ ہمارے پیارے نبیؐ نے رمضان کی آمد سے قبل ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپؐ نے اس خطبہ میں ماہِ رمضان کی اہمیت کو اجاگر فرمایا، تاکہ ماہِ رمضان کے ہر لمحے کو قیمتی بنایا جائے اور تقویٰ اور پرہیز گاری کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے منقول ہے کہ رسولؐ نے ارشاد فرمایا: تمہارے اوپر ایک مہینہ سایہ فگن ہونے کو ہے جو باعظمت اور بڑا مبارک ہے۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ہے (شب قدر) جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے کو فرض فرمایا ہے اور اس کے رات کے قیام (یعنی تراویح) کو ثواب کی چیز بنایا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں فرض کو ادا کیا، جو شخص اس مہینے میں کسی فرض کو ادا کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر (70) فرض ادا کرے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غم خواری کرنے کا ہے۔ اس مہینے میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے تو یہ اس کی بخشش کا اور دوزخ سے اس کی آزادی کا سامان بن جائے گا اور روزہ دار کے ثواب کی مانند اس کو ثواب ہوگا، مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ! ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ (پیٹ بھر کر کھلانے پر موقوف نہیں) یہ ثواب تو اللہ تعالیٰ ایک کھجور سے کوئی افطار کرا دے یا ایک گھونٹ پانی یا لسی پلا دے اس پر بھی مرحمت فرما دیتے ہیں۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ اللہ کی رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے۔

جو شخص اس مہینے میں اپنے غلام (خادم) کے بوجھ کو ہلکا کر دے۔ حق تعالیٰ شانہ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں اور آگ سے آزادی کا پروانہ عطا فرماتے ہیں۔ چار کاموں کی اس میں کثرت رکھا کرو، جن میں سے دو کام ایسے ہیں کہ ان کے ذریعے تم اپنے پروردگار کو راضی کرو گے اور دو کام ایسے ہیں کہ جن سے تم بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ (یعنی تمہارے لیے ضروری ہیں)۔

وہ دو کام جن سے رب تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو گی: (1) لا الہ الا اللہ (کلمہ طیبہ) کا ورد رکھنا (2) خدائے پاک سے مغفرت طلب کرتے رہنا۔

وہ دو کام جن سے تم بے نیاز نہیں رہ سکتے: (1) اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرنا (2) دوزخ سے پناہ مانگنا ہے۔

جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے گا حق تعالیٰ (قیامت کے دن) میرے حوض (یعنی حوضِ کوثر) سے اس کو ایسا پانی پلائیں گے جس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک اسے پیاس نہیں لگے گی۔

(صحیح ابن خزیمہ، کتاب الصیام: 1887)

پیارے بچو! رمضان المبارک کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اس نعمت کی قدر یہ ہے کہ اس میں اچھے اعمال کر کے اس کی ہر گھڑی کو قیمتی بنایا جائے اور اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ اس خطبے میں ہمارے پیارے نبیؐ نے جو احکامات سکھائے ہیں اور آداب بتائے ہیں ان پر عمل کیا جائے تاکہ نیکیوں بھرا رمضان ہمیں مل جائے۔

☆☆☆

''نجومی صاحب!...... کیا کچھ کام یابی ملی؟''

احمد اشرفیوں کی دونوں تھیلیاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑے افسردہ لہجے میں بولا۔ ''یہ چار سو سونے کی اشرفیاں ہیں۔ مجھے اُمید ہے ان سے تمہاری ضرورت اور لالچ پوری ہو جائے گی اور آئندہ مجھے اس کام کے لیے مجبور نہ کرنا اب میں مزید کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔'' پھر اس کے بعد اس نے دن بھر کی ساری کہانی ستارہ کو سنا دی مگر ستارہ نے اس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا۔ اس کی آنکھوں میں لالچ کے سائے مزید گہرے ہو گئے۔ وہ سونے کی مزید اشرفیاں چاہتی تھی۔ وہ شاہی نجومی کی بیوی کی طرح امیر بننا چاہتی تھی اس لیے بولی۔

''احمد ہمت کرو! ابھی تو یہ تمہارا پہلا دن ہے بہت جلد ہم امیر اور دولت مند ہو جائیں گے۔''

احمد نے بہت منع کیا مگر ستارہ کی ضد کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ ستارہ ٹھوں ٹھوں کر کے رونے لگی اور کہنے لگی۔

''احمد!...... تم نہیں چاہتے کہ گھر میں دولت آئے۔'' پھر اس نے وہی پرانی دھمکی دہرائی کہ اگر احمد نے اس کی بات نہ مانی تو وہ احمد کو گھر سے نکال دے گی۔ یہ دھمکی سن کر احمد بے بس ہو گیا۔

احمد نے وعدہ کر لیا کہ وہ ایک کوشش اور کر دیکھے گا۔ دوسری صبح ایک بار پھر وہ اپنا علم نجوم کا سامان سر پر رکھ کر بازار پہنچ گیا اور پہلے کی طرح آوازیں لگانے لگا۔

''آؤ لوگو...... آؤ دیکھو...... میں ہوں احمد نجومی۔ میں سورج، چاند اور ستاروں کی چال کا حساب جانتا ہوں۔ میں آنے والے وقت کا حال بتا سکتا ہوں۔''

ایک دفعہ پھر ہجوم اس کے گرد جمع ہو گیا مگر اس دفعہ وہ حیران تھے اور نہ ہی اس کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ یاقوت کی کہانی سب کو معلوم ہو چکی تھی کہ کیسے اس نے شاہی نجومی کا یاقوت تلاش کر کے دیا تھا، اس کی وجہ سے لوگ سمجھنے لگے تھے کہ احمد کوئی عام نجومی نہیں بلکہ وہ اصفہان شہر کا سب سے قابل نجومی ہے۔

جب سب لوگ اس کے گرد مجمع لگائے کھڑے تھے اسی وقت ایک خاتون ایک پالکی پر سوار وہاں سے گزری، جس کو چار غلام اٹھائے ہوئے تھے اور آگے پیچھے نوکر چاکر چل رہے تھے۔ وہ اس شہر کے سب سے زیادہ امیر تاجر کی بیوی تھی اور اس وقت اپنی ماں

کے گھر سے ،اس کو ملنے کے بعد واپس آ رہی تھی۔ماں کے گھر اس کے کانوں کے جھمکے اور گلے کا قیمتی ہار گم ہو گیا تھااور اب واپس اپنے گھر جاتے ہوئے وہ ڈر رہی تھی کہ اگر اس کے شوہر کو زیورات کے گم ہونے کا علم ہو گیا تو وہ بہت ناراض ہوگا اور سمجھے گا کہ وہ یہ زیورات اپنی ماں یا بہن بھائیوں کو دے آئی ہے اور اب گمشدگی کا بہانہ کر رہی ہے۔سڑک کے کنارے ہجوم کو دیکھ کر جب اس نے وجہ دریافت کی تو اسے لوگوں نے اس مشہور نجومی کی ساری کہانی سنا دی کہ کیسے اس نے شاہی سنار کا یاقوت ڈھونڈ نکالا۔ نجومی کا ذکر سن کر اس عورت کی آنکھوں میں اُمید کے دیے روشن ہو گئے۔ وہ پالکی سے اُتری اور لوگوں کو ہٹاتے ہوئے احمد کے قریب پہنچی اور کہنے لگی۔

''اے باعلم نجومی...... مجھے علم ہوا ہے کہ تم آسانی سے میرے گم شدہ زیورات تلاش کر سکتے ہو۔ اگر تم انہیں تلاش کر دو تو میں تمہیں سونے کی پانچ سو اشرفیاں دوں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے احمد نجومی کو اپنے نقصان کی ساری کہانی سنا دی۔

احمد اس کی یہ بات سن کر پریشان ہو گیا کیونکہ وہ کوئی اصلی نجومی تو تھا نہیں کہ حساب لگا لیتا اور معلوم کر لیتا۔ پریشانی کے عالم میں اس نے اپنی آنکھیں جھکا لیں اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیسے اس مصیبت سے اپنی جان چھڑائے اور لوگوں کو علم ہونے سے پہلے یہاں سے کھسک لے مگر وہاں تو بہت ہجوم اکٹھا تھا۔سب اس کی بات سن رہے تھے اور منتظر تھے کہ احمد کیا جواب دیتا ہے اور کیسے اس عورت کے زیورات تلاش کرتا ہے۔ ہجوم کے دباؤ کے سبب عورت کو ایک دھکا لگا اور وہ آگے کی طرف گرنے لگی مگر جلد ہی سنبھل گئی۔ اس نے ایک لمبی سی چادر اپنے جسم کے گرد لپیٹ رکھی تھی، اس چادر کا ایک کونا لوگوں کے پاؤں کے نیچے آ کر پھٹ گیا۔ احمد چوں کہ نظریں جھکائے بیٹھا تھا اور نیچے ہی دیکھ رہا تھا اس لیے وہ پھٹی ہوئی چادر اس کو نظر آ گئی۔اس نے بڑے مہذب انداز میں تاجر کی بیوی کو اس کے بارے میں بتانا چاہا۔وہ سرگوشی کے عالم میں کہنے لگا۔

''محترم خاتون!...... دوسروں کو علم ہونے سے پہلے اپنے پردے کو دیکھو...... نیچے دیکھو۔''

عورت اس وقت اپنے نقصان پر بہت پریشان تھی اور سوچ رہی تھی کہ زیورات کہاں گم ہو گئے ہیں۔ احمد کی بات سنتے ہی اس کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور اس کو کچھ یاد آ گیا۔وہ حیرت سے چلائی۔

''اے نجومی...... یہیں میرا انتظار کرو۔میں تھوڑی ہی دیر میں واپس آتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ تیزی سے واپس پلٹی اور اپنی پالکی میں بیٹھ کر اسی طرف واپس چلی گئی جس طرف سے آئی تھی۔احمد حیرت زدہ وہیں بیٹھا اس کا انتظار کرنے لگا۔ جلد ہی وہ واپس آ گئی۔اس کے ہاتھ میں پانچ سو سونے کی اشرفیوں سے بھری ایک تھیلی تھی۔ آتے ہی وہ بولی۔

''اے مہربان اور عظیم نجومی!...... تم تو واقعی ہر چھپی چیز کو جان لیتے ہو۔ جب تم نے کہا کہ اپنے پردے کو دیکھو، نیچے دیکھو، تو مجھے ایک دم یاد آ گیا کہ اپنی ماں کے گھر میں نے اپنے زیورات اتار کر کمرے کی ایک کھڑکی کے پردے کے پیچھے حفاظت کے خیال سے رکھ دیے تھے مگر وہ نیچے فرش پر گر گئے اس لیے نظر نہیں آئے۔ میں بھی انہیں وہاں بھول گئی تھی اور اِدھر اُدھر تلاش کرتی رہی مگر جب تم نے پردے کا ذکر کیا تو مجھے ایک دم سب یاد آ گیا۔ میں واپس ماں کے گھر پہنچی تو پردے کے پیچھے مجھے میرے زیورات مل گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم نے میری مشکل حل کر دی۔اب میں سکون سے اپنے گھر جا سکتی ہوں اور اے نجومی یہ سب تمہاری وجہ سے ممکن ہوا ہے۔تمہارا بہت بہت شکریہ۔''

یہ کہنے کے بعد وہ چلی گئی۔ احمد نے بھی جلدی سے اپنی دکان بڑھائی اور واپس گھر کو بھاگا۔ وہ اس مصیبت سے گلوخلاصی ہونے پر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ اس نے اپنے دل میں عہد کیا کہ آئندہ وہ اس کام سے توبہ کر لے گا مگر اس کی بیوی کا لالچ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ شاہی نجومی کی بیوی کے برابر ہونا چاہتی تھی لہٰذا اس نے اپنی دھمکی نئے سرے سے دہرائی تو احمد کو اس کی بات ماننے پر مجبور ہونا پڑا۔

انہی دنوں ایک عجیب واقعہ ہوا اس مُلک کے بادشاہ کے محل سے ہیرے جواہرات اور سونے سے بھرے مٹکے چرا لیے گئے۔ شاہی خزانچی اور کوتوال نے چوری کا سراغ لگانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ بادشاہ نے اپنے شاہی نجومی کو بلا بھیجا اور اسے کہا کہ جلد ستاروں کا حساب لگا کر معلوم کرو کہ چوری کس نے کی ہے،

چور کہاں ہیں اور چوری کیے گئے ہیرے جواہرات کیسے واپس ملیں گے۔ اگر جلد ہی چوری کا سراغ نہ ملا اور چور پکڑے نہ گئے تو شاہی نجومی کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اس کام کے لیے بادشاہ نے شاہی نجومی کو ایک ہفتے کا وقت دیا۔

شاہی نجومی نے اپنی پوری کوشش کی۔ ہر طرح سے زائچہ کھینچا، ستاروں کا حساب لگایا، پانسے پھینکے، اپنے فن کا پورا زور لگا دیا مگر ناکام رہا اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اب اس کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ اس دوران میں اس کے دوست شاہی سنار نے اسے ایک نہایت لائق اور عقل مند نجومی کے متعلق بتایا جو پہلے موچی تھا مگر اب اپنے علم کی بدولت لوگوں کو ان کا حال بتا کر کافی مشہور ہو چکا تھا۔ شاہی سنار کی بات سنتے ہی شاہی نجومی نے فوراً دو سپاہی دوڑائے کہ احمد نجومی جہاں پر بھی ہو جیسے ہو فوراً حاضر کیا جائے۔ سپاہیوں کو دیکھتے ہی احمد موچی خوف سے لرز گیا۔ جب سپاہیوں نے بتایا کہ اسے شاہی نجومی نے فوراً اور اسی وقت اپنے محل میں طلب کیا ہے تو اس کی تو روح ہی فنا ہو گئی اور وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا۔

''دیکھ لیا اپنے لالچ کا انجام۔ بادشاہ کے شاہی نجومی نے میرا ذکر سن لیا ہے اب اس نے مجھے سزا دینے کے لیے اپنے پاس طلب کیا ہے۔''

''تم تو خواہ مخواہ ڈر رہے ہو۔ ہو سکتا ہے اس نے تمہیں تمہاری کامیابیوں پر انعام دینے کے لیے تمہیں بلایا ہو۔'' ستارہ مسکراتے ہوئے بولی۔

بہرحال جب احمد لرزتا کانپتا، اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا شاہی نجومی کے محل میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شاہی نجومی اس کا استقبال کرنے کے لیے خود چل کر محل کے دروازے پر آیا اور اسے لے جا کر انتہائی عزت اور احترام سے اپنے برابر بٹھایا اور پھر لجاجت بھرے لہجے میں کہنے لگا۔

''اے محترم احمد نجومی!...... یہ ساری دُنیا قسمت کے سہارے چل رہی ہے۔ کسی کی قسمت اچھی ہو تو اسے سب مل جاتا ہے۔ جس کی قسمت بُری ہو وہ مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ میری قسمت بھی آج کل چکر میں ہے میں بھی ایک مصیبت میں گرفتار ہوں۔'' اتنا کہنے کے بعد اس نے بادشاہ کے محل میں چوری کی ساری داستان احمد موچی کو سنا دی۔ ابھی احمد کوئی جواب دینے بھی نہ پایا تھا کہ بادشاہ کا قاصد وہاں پہنچ گیا اور شاہی نجومی کو بادشاہ کا حکم سنایا کہ بادشاہ نے اسے ابھی اور اسی وقت اپنے دربار میں طلب کیا ہے۔ شاہی نجومی نے احمد سے درخواست کی کہ وہ بھی اس کے ساتھ دربار میں چلے۔ چاروناچار احمد اس کے ساتھ ہو لیا۔

جب یہ لوگ بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو انہوں نے جھک کر بادشاہ کو تعظیم دی۔ شاہی نجومی کو دیکھتے ہی بادشاہ بے قراری سے پوچھنے لگا۔

''شاہی نجومی!...... آج تمہاری مہلت کے سات روز ختم ہو گئے ہیں۔ جلدی بتاؤ تمہارا حساب اور فن کیا بتاتا ہے کہ میرا خزانہ اور اس کے چور کہاں ہیں؟۔''

شاہی نجومی ڈرتے ڈرتے سر جھکا کر بولا۔ ''بادشاہ سلامت!...... یہ کام میرے فن کی دسترس سے باہر ہے۔ میں باوجود اپنی پوری کوشش کے شاہی خزانے کے چوروں کا سراغ نہیں لگا سکا مگر میں اپنے ساتھ اپنے سے بھی زیادہ قابل ایک نجومی کو لے کر آیا ہوں جو برجوں اور ستاروں کا ماہر استاد ہے یہ یقیناً حضور کے چوری شدہ خزانے کا پتا لگا سکتا ہے۔'' اس کے بعد اس نے احمد کا تعارف بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ احمد کے پاؤں تلے سے زمین ہی نکل گئی۔ احمد کا تعارف سنتے ہی بادشاہ کہنے لگا۔

''تو پھر احمد نجومی...... تم ہی بتاؤ کس نے میرا خزانہ چرایا ہے۔ کون ہے وہ چور؟۔''

''یہ کسی ایک آدمی کا کام نہیں عالم پناہ...... اس چوری میں چالیس چوروں کا ہاتھ ہے۔'' اپنی جان چھڑانے کے لیے احمد نے بے سروپا کی اُڑائی۔

''مگر وہ ہیں کون اور انہوں نے خزانے کے سونے چاندی اور جواہرات کے ساتھ کیا کیا ہے؟'' بادشاہ نے گرج کر پوچھا۔ بادشاہ کی بات سنتے ہی احمد گھبرا گیا اور تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا۔

''بادشاہ سلامت...... ابھی میں آپ کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ ستاروں کا حساب لگانے اور برجوں کی چال دیکھنے کے لیے مجھے چالیس دن درکار ہیں اگر حضور مجھے یہ مہلت دیں تو میں سب بتا دوں گا۔''

''ٹھیک ہے تمہیں چالیس دن دیے جاتے ہیں لیکن اگر اس

کے بعد بھی خزانے کا سراغ نہ ملا تو تمہاری گردن بھی اس شاہی نجومی کے ساتھ ہی اُڑا دی جائے گی۔'' بادشاہ نے اس کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

احمد لرزتا کانپتا اورگرتا پڑتا اپنے گھر واپس پہنچا۔ وہ فیصلہ کرچکا تھا کہ آج ہی یہ شہر چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے گا۔ اسی لیے اس نے بادشاہ سے چالیس روز کی مہلت مانگی تھی۔ اس کی لالچی بیوی اسے دیکھتے ہی چہک اٹھی۔

''ارے احمد جلدی بتاؤ کیا ہوا...... کیا کہا شاہی نجومی نے؟''

''کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ صرف اتنا سن لو کہ آج سے چالیس دن کے بعد بادشاہ کے حکم سے میری گردن اُڑا دی جائے گی اگر میں نے چالیس چوروں اور بادشاہ کے چوری شدہ خزانے کا سراغ نہ لگایا تو۔'' احمد جل کر بولا۔

''کون سے چور اور کون سا خزانہ......؟'' ستارہ حیرت زدہ ہو کر پوچھنے لگی۔ اس کے جواب میں احمد نے اسے وہ سب کتھا سنا دی جو آج بادشاہ کے دربار میں اس پر گزری تھی۔

''تو پھر تم جلدی حساب لگاؤ اور بتاؤ خزانہ اور وہ چالیس چور کہاں ہیں؟'' ستارہ جھٹ سے بولی۔

''مگر کیسے...... میں کیسے حساب لگاؤں۔ میں تو جعلی نجومی ہوں۔'' احمد روہانسا ہوگیا۔

''اسی فن سے حساب لگاؤ جس سے تم نے بادشاہ کا یاقوت اور تاجر کی بیوی کے گم شدہ زیورات تلاش کیے تھے۔'' ستارہ نے جواب دیا۔

''بے وقوف عورت...... تم جانتی ہو میرے پاس کوئی فن نہیں ہے۔ یہ تو اللہ نے میری مدد کی اور میں ان لوگوں سے بچنے میں کام یاب ہوگیا اور ساتھ کچھ دولت بھی مل گئی مگر اب نہیں بچ سکیں گے۔ یہ معاملہ بادشاہ کا ہے۔ یہ چالیس دن بھی میں نے اپنی چالاکی سے حاصل کیے ہیں۔ اس وقت کے دوران میں ہم آسانی سے اس شہر کو چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں اور کسی دوسرے شہر یا ملک جا کر چین کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ جو رقم ہم نے ابھی تک اس علم سے کمائی ہے اس سے ہم ایمان داری سے زندگی گزار سکتے ہیں۔'' احمد نے اسے اپنا پورا منصوبہ بتا دیا۔

''ایک ایمان دار اور پُرسکون زندگی جوتے مرمت کر کے نہیں گزاری جا سکتی، اس سے اتنی دولت نہیں ملتی کہ میں زیورات پہن سکوں۔ میری بات سنو احمد...... تم بادشاہ کا خزانہ تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ یہ تمہارے لیے نام بنانے اور پیسہ کمانے کا ایک عمدہ اور بہترین موقع ہے۔'' احمد کی بیوی جل کر بولی۔

احمد نے اپنی بیوی کو سمجھانے کی بہتیری کوشش کی مگر کوئی راستہ نہ پا کر وہ مجبور ہوگیا۔ اس کی بیوی بولی۔ (باقی آئندہ)

☆☆☆

ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی ملک کی ایک شہزادی تھی جو بہت ضدی تھی۔ وہ دوسروں کی کہی ہوئی سب باتوں سے ہمیشہ اختلاف کرتی رہتی تھی۔ اسے جو بھی کہا جاتا وہ ہمیشہ اس کے مخالف بات کرتی۔ کیوں کہ وہ شہزادی تھی اس لیے ہر کوئی خاموش ہو جاتا چاہے وہ کتنی ہی بے وقوفی کی بات کیوں نہ کرتی۔

بچو تم یقین نہیں کرو گے کہ لوگ اس کی اس عادت سے بہت تنگ تھے اور نفرت کرتے تھے۔ فرض کریں کوئی مہمان محل میں آتا اور اسے کہتا کہ شہزادی صاحبہ آپ کا لباس جو آپ نے پہنا ہوا ہے۔ بہت خوب صورت اور دیدہ زیب ہے تو وہ نزاکت سے جواب دیتی۔ ''یہ بہت بھدا اور بدصورت لباس ہے۔ میں تو اس کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی میں ابھی اس کو تبدیل کرتی ہوں۔''

اگر کوئی محل کے باغیچے میں لگے ہوئے پھولوں کی تعریف کر دیتا تو وہ فوراً اعلان کروا دیتی کہ یہ پھول تو بہت عام اور بدصورت سے ہیں اور وہ مالیوں کو حکم دیتی کہ فوراً ان پھولوں کی کیاریوں کو کھود دو۔

یہ معاملات اسی طرح بُرے انداز سے چلتے رہے۔ ایک دن ایک پری اُڑتی ہوئی محل سے گزری۔ اس دن خاص طور پر شہزادی ہر بات کی نفی کر رہی تھی۔ لیکن کیا فرق پڑتا تھا شہزادی تو ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھی۔

پری اُڑتی ہوئی گزر رہی تھی تو اسے شہزادی کی آواز آئی، وہ بلند آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ بابا مجھے یقین ہے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں اور ہمیشہ کی طرح میں صحیح کہہ رہی ہوں۔''

ظاہر ہے بادشاہ کے ساتھ کوئی اس لہجے میں بات نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس سے بے وقوفانہ بات بھی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ کوئی بھی ہر وقت ہر بات میں صحیح نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی ہر وقت ہر بات غلط کر سکتا ہے۔

پری کہنے لگی۔ ''اچھی بات ہے اگر تم اتنا ہی اختلاف رکھنے والی شہزادی ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ ہمیشہ جو تم کہنا چاہو گی تمہارے منہ سے اس سے اُلٹ بات نکلے گی۔'' پھر پری نے فوراً ایک منتر پڑھا جس سے فوراً اس کا اثر ہو گیا۔ شام کو ایک ملازمہ شہزادی کے لیے کھانا لے کر گئی اور کہنے لگی۔ ''باورچی نے درخواست کی ہے کہ آپ کو بتایا جائے کہ کیکڑے کا شوربہ بہت اچھا بنا ہے۔''

شہزادی نے شوربہ دیکھا اور کہنے لگی۔ ''ہاں بالکل میں نے اتنا مزے کا شوربہ کبھی نہیں دیکھا۔'' حیران و پریشان ملازمہ نے یہ الفاظ سنے تو اس کے ہاتھ سے برتن گرتے گرتے بچے۔ کیا واقعی اس نے صحیح سنا تھا؟ کیا واقعی شہزادی کو کوئی چیز پسند آئی تھی۔ شہزادی

خود بھی حیران تھی۔ وہ کہنا تو کچھ اور چاہتی تھی لیکن اس کے منہ سے الفاظ کوئی اور نکلے تھے۔ لیکن ملازمہ مسکرا رہی تھی۔ اس نے معمول سے بھی زیادہ جھک کر شہزادی کو سلام کیا اور وہاں سے چل دی۔
اگلی صبح بادشاہ اپنی بیٹی کے پاس آیا اور اسے گھڑ سواری کی دعوت دی تو وہ شہزادی کی بات سن کر حیران رہ گیا وہ بولی: ''جی ابا حضور! بہت مزا آئے گا۔''

بادشاہ کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بہت مدت بعد ایسا ہوا تھا کہ شہزادی نے اس کی کوئی بات مانی تھی۔ اس صبح باپ بیٹی نے اکٹھے بہت اچھا وقت گزارا۔ شہزادی نے بادشاہ کی باتوں سے اتفاق کیا کہ شہر سے باہر مضافات بہت خوب صورت ہیں اور بادشاہ کا گھوڑا بہت اچھا ہے۔ اس نے اعتراف کیا کہ دُور سے محل بہت خوب صورت دکھائی دیتا ہے۔ اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ اب اس کی شادی بھی ہو جانی چاہیے اور ایک خوب صورت گھر بنانا چاہیے۔

بادشاہ بہت خوش اور حیران تھا۔ لگتا تھا اس کی بیٹی سیانی ہو رہی ہے اور وہ یہ بات سوچ کر بھی بہت خوش تھا کہ وہ شادی کے لیے تیار ہو گئی ہے۔ ادھر شہزادی سخت پریشان تھی اور تھوڑی سی خوف زدہ بھی۔ وہ جو بھی اچھی باتیں کر رہی تھی وہ ہرگز نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ خود ہی اس کے منہ سے پھسل گئی تھیں اور جہاں تک شادی کا تعلق تھا تو یہ بات دُور دُور تک اس کے ذہن میں نہیں تھی لیکن وہ اس بات سے خوش بھی تھی کہ زندگی میں پہلی بار اس کا باپ اس سے خوش تھا۔

بادشاہ نے بالکل وقت ضائع نہیں کیا اور شہزادی کے لیے دلہا کی تلاش شروع کر دی۔ نزدیک کے ملکوں کے شہزادوں کو فوراً بلوایا گیا تا کہ شہزادی سب کو دیکھ لے۔ اب سبھی شہزادے محل میں اکٹھے تھے۔ شام کو شہزادی نے اپنا سب سے بہترین لباس زیب تن کیا اور پھر بالکونی سے اس نے سب شہزادوں کو دیکھا اور سوچا کہ وہ سب کو ناپسند کرے گی۔

شہزادی نیچے اتر کر جس شہزادے کو بھی وہ ملی۔ اس کے بارے میں اس نے تعریف کی۔ وہ جتنا کوشش کرتی کہ کسی کو بُرا بھلا کہے یا کسی کے منہ پر اس کی بدتعریفی کرے اتنا ہی لگتا تھا جیسے اس کے منہ سے الفاظ کی بجائے پھول جھڑ رہے ہوں۔ یہ اس کے لیے سخت تکلیف دہ بات تھی۔

انہی شہزادوں میں سے ایک شہزادہ ایسا بھی تھا جو شہزادی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ایک دفعہ وہ سانس لینے کے لیے تھوڑی تنہا ہوئی تو وہ پھرتی سے شہزادی کے پاس پہنچا۔ وہ بڑے مودبانہ انداز میں بولا۔ ''شہزادی عالم! کیا واقعی آپ کو سبھی شہزادے ہی اچھے لگ رہے ہیں۔ یا آپ سب کو دھوکہ دے رہی ہیں؟''

شہزادی نے شہزادے کو تعریفی نظروں سے دیکھا۔ جیسے کہنا چاہ رہی ہو۔ ''ہاں ہاں! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ بالکل صحیح کہہ رہے ہو۔'' لیکن اس کے منہ سے کیا الفاظ نکلے۔ ''نہیں جناب! مجھے واقعی سب بہت اچھے لگ رہے ہیں۔'' شہزادے نے شہزادی سے وہ بات کی جو دراصل اس کے ذہن میں تھی۔ وہ بولا۔ ''شہزادی عالم! مجھے لگتا ہے آپ پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس جادو کا اثر ختم کر سکتا ہوں تا کہ آپ دوبارہ اپنی مرضی کی بات کر سکیں۔''

شہزادی بولی۔ ''نہیں رہنے دیں۔'' لیکن اس کی آنکھیں کچھ اور کہہ رہی تھیں۔ تبھی شہزادہ گھٹنوں کے بل جھکا اور جھک کر اس سے شادی کی درخواست کی۔ دراصل یہی وہ طریقہ تھا جس سے منتر کا اثر ختم ہونا تھا۔ پھر وہ بولا۔ ''مجھے معاف کر دینا شہزادی! یہ ہی وہ طریقہ تھا جس سے جادو کا اثر ختم ہونا تھا۔ اب آپ مجھ سے جیسا بھی سلوک کریں مجھے قبول ہے۔''

لیکن ایک مہینہ ہو گیا تھا شہزادی کے منہ سے نکلنے والی ہر بُری بات اچھی بن کر نکلی تھی۔ شہزادی سوچنے لگی کہ ہر وہ بات جو وہ کرنا نہیں چاہتی تھی دراصل سچ تھا۔

وہ بولی۔ ''جناب! آپ نے مجھے بتایا کہ مجھ پر جادو ہو گیا تھا لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ آپ نے بھی کوئی جادو کر کے مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔'' اس نے شہزادے سے پوچھا کہ کیا واقعی وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

اب ان کی شادی کو خاصا عرصہ گزر چکا ہے۔ شہزادی کے منہ سے وہی بات نکلتی ہے جو وہ کرنا چاہتی ہے اور یہی بات شہزادے کے ساتھ بھی ہے لیکن اگر آپ ان کو ملیں تو دیکھیں گے کہ کوئی اختلاف ہوتا ہی نہیں کیوں کہ وہ دل سے اختلاف برائے اختلاف کرتے ہی نہیں۔

☆☆☆

امتحانی پرچے میں سوال تھا: ''افریقی ہاتھی اور امریکی ہاتھی کے درمیان کتنا فرق ہے؟''
ایک طالب علم نے جواب دیا: ''تقریباً تین ہزار میل کا۔''

☆

مالک دیہاتی نوکر سے: ''شرفو! تم نے فریج تو صاف کر دیا ناں؟''
نوکر (منہ پونچھتے ہوئے): ''جی صاحب! بڑی مشکل سے...... مگر خدا کی قسم ہر چیز بڑی لذیذ تھی۔'' (حرا ظفر، گوجرانوالہ)

ایک پاگل صحت یاب ہو کر پاگل خانے سے نکل رہا تھا کہ برطانوی وزیراعظم نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا: ''مجھ سے ملو، میں برطانیہ کا وزیراعظم ہوں۔''
اس پر پاگل نے جواب دیا کہ جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے میں جب پہلی بار آیا تو میں بھی یہی کہتا تھا۔ (محمد الیاس، دھوا)

ایک صاحب غصے کے عالم میں تھانے پہنچے اور ایک مردہ بلی تھانے دار کے سامنے رکھتے ہوئے بولے:
''یہ کسی نے آج میرے صحن میں پھینک دی ہے۔''
تھانے دار کچھ سوچتے ہوئے بولا: ''قانون کے مطابق اگر چھ ماہ تک اس کا مالک نہ آیا تو آپ اسے رکھ سکتے ہیں۔''
(صائمہ کاروار، لاہور)

استاد (شاگرد سے) ''رنگے ہاتھوں پکڑنا کو جملے میں استعمال کرو۔''
شاگرد: ''جب میں دیوار پر رنگ کر کے ہٹا تو پھر ہاتھ دھونے کے لیے مجھے ٹونٹی کو رنگے ہاتھوں پکڑنا پڑا۔''

☆

استاد نے شاگرد سے کہا کہ کاہلی پر ایک مضمون لکھ کر لانا۔
اگلے دن استاد نے شاگرد کی کاپی دیکھی تو اس میں تین صفحے چھوڑ کر چوتھے صفحے کے آخر میں لکھا تھا اسے کہتے ہیں کاہلی۔
(حذیفہ اظہر، فیصل آباد)

دو بے وقوف گاڑی میں جا رہے تھے۔ ایک بولا: ''ارے میں تو گھر میں بجلی کا چولہا جلتا ہوا چھوڑ آیا ہوں کہیں آگ نہ لگ جائے۔''
دوسرا جھٹ بولا: ''فکر کی کوئی بات نہیں میں بھی نلکا بند کرنا بھول گیا ہوں۔ کچھ نہیں جلے گا۔'' (ایاز احمد، لاہور)

ایک صاحب کسی دعوت میں بے تحاشا کھائے جا رہے تھے، ان کے برابر بیٹھے ہوئے آدمی سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے کہا: ''جناب کھانے کے درمیان پانی بھی پی لیا کرتے ہیں۔'' اس آدمی نے جواب دیا: ''ٹھیک ہے درمیان آئے گا تو پانی بھی پی لیں گے۔''
(ثانیہ امتیاز، لاہور)

ایک مصور نے ایک آدمی سے کہا: ''جب بھی تصویروں کی نمائش لگتی ہے آپ میری ہی بنائی ہوئی تصویر کیوں دیکھتے ہیں۔''
اس آدمی نے کہا: ''کیا کروں، دوسری تصویروں پر اتنی بھیڑ لگی رہتی ہے کہ دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔'' (عائشہ امتیاز، لاہور)

استاد: ''تم دیر سے کیوں آئے ہو؟''
شاگرد: ''سر! بس نہیں مل رہی تھی۔''
استاد: ''اس لیے تو کہتا ہوں کہ ضروری چیزیں رات ہی کو ڈھونڈ لیا کرو۔'' (عائشہ مریم، چونیاں)

کرایہ دار (مالک مکان سے): ''جناب! جب بارش ہوتی ہے تو چھت ٹپکتی ہے اور کمرے میں پانی بھر جاتا ہے۔''
مالک مکان: ''میں نے آپ کو پہلے نہیں کہا تھا کہ کمرے میں پانی کا بھی انتظام ہے۔'' (عمر معظم، چونیاں)

ایک صاحب ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ ٹکٹ چیکر آیا اور ٹکٹ مانگا۔ ان صاحب نے ٹکٹ دکھایا۔
ٹکٹ چیکر: یہ ٹکٹ تو پرانا ہے۔
وہ صاحب بولے: تو ٹرین کون سی نئی ہے؟ (عذرا بی بی، چاہ جندووالہ)

ہوائی جہاز میں بیٹھے ایک شخص نے اٹھ کر زور سے کہا۔ ''ہائی! جیک۔'' سب مسافر ڈر گئے اور سمجھے کہ جہاز اغواء ہو گیا ہے۔ اتنے میں جہاز کے کونے سے ایک شخص اٹھا اور جواباً بولا:
''ہائی! اسمتھ'' پھر دونوں نے ہاتھوں ہلایا اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔
(محمد ناصر، کراچی)

دُعا کی پرواز

گلاب خان سولنگی

پرانے زمانے میں سندھ کے ایک گاؤں میں کمال نامی لکڑ ہارا رہتا تھا، وہ اپنی بوڑھی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا، جو ہر وقت اپنی والدہ کی خدمت کرتا اور اس کی دُعائیں لیتا۔ وہ بہت غریب تھے، کمال دن رات محنت کر کے لکڑیاں جمع کر کے شہر جا کر بیچتا اور جو رقم وصول ہوتی اس سے بہ مشکل گھر کا خرچہ چلاتا۔ اسے محنت کرتا دیکھ کر اس کی بوڑھی ماں ہر وقت اسے بس یہی دُعا دیتی:

"بیٹا! خدا کرے تمہاری شادی کسی بادشاہ زادی سے ہو۔" اور وہ ہر دفعہ ہنس کر اپنی والدہ کو جواب دیتا:

"اماں! یہ کیسی دُعا ہے، کہاں میں اور کہاں بادشاہ زادی!"

وہ بیٹے کو دلاسا دیتے ہوئے کہتی تھی: "بیٹا! اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے، نہ جانے کس گھڑی وہ میری دُعا قبول فرمائے، اس کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہیں ہوتے، بادشاہ زادی بھی تو انسان ہے، اگر اللہ نے چاہا تو تیری شادی کسی بادشاہ زادی سے بھی ہوسکتی ہے، کیا کسی غریب کی شادی کسی بادشاہ زادی سے نہیں ہوتی؟ یہ تو سب قسمت کے کھیل ہیں، ایک بوڑھی ماں اس سے زیادہ اور کیا دُعا دے سکتی ہے کہ اس کی اولاد کو وہ ہر سکھ مل سکے، جو کسی بادشاہ یا امیر کو حاصل ہے۔" اپنی بوڑھی والدہ کی دُعائیں لے کر اسے بہت خوشی حاصل ہوتی تھی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ ماں سے فرماں برداری اور حسنِ سلوک سے پیش آتا تھا۔ اپنی غربت کی وجہ سے کمال تعلیم کے زیور سے محروم رہا، لیکن اپنی بوڑھی والدہ کی خدمت کر کے وہ اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا تھا اور دوسروں کو بھی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کرتا رہتا تھا۔ انہیں غریب سمجھ کر کوئی بھی رشتہ داری نہیں کرتا تھا، لیکن کمال کو اس چیز کی پرواہ نہیں تھی۔

ایک دن وہ حسبِ معمول جنگل میں لکڑیاں کاٹنے میں مصروف تھا کہ اچانک اس کی نظر دو اجنبی پرندوں پر پڑی جو جسامت میں شترمرغ کی طرح تھے، ایسے پرندے اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اسے ان پرندوں کی زبان بھی سمجھ میں آرہی تھی۔ کمال نے ایک درخت کی اوٹ لے کر دیکھا کہ وہ آپس میں گفتگو میں مصروف ہیں، ایک پرندے نے دوسرے سے کہا: "میرے دوست، لگتا ہے ہم سندھ میں آگئے ہیں، دیکھو موسم کتنا گرم ہے۔" دوسرا پرندہ بولا: "آپ نے ٹھیک کہا، ہم دنیا کی سیر کرتے ہوئے، تھوڑی دیر کے لیے یہاں ستانے کی غرض سے اترے ہیں، پر یہاں تو بہت گرمی ہے، جب کہ ہم تو ٹھنڈے علاقے کے پرندے ہیں۔" پہلا پرندہ: "اب سوچنا کیسا، ہماری اگلی منزل بہارستان ہے جس کا بادشاہ نہایت رحم دل اور مہربان ہے، اس کی بادشاہی میں رعایا کے ساتھ ساتھ چرند پرند بھی

خوش حال ہیں اور وہاں کے جنگل میں ہمارے قبیلے کے کافی پرندے بھی موجود ہیں اور جنگل بھی کافی وسیع ہے۔'' پہلا پرندہ: ''بات تو تمہاری ٹھیک ہے، پر میری ایک خواہش ہے۔'' دوسرا پرندہ: ''کیسی خواہش؟'' پہلا پرندہ بولا: ''ساری دنیا دیکھ لی، مگر چین ملک کی سیر ابھی باقی ہے۔'' دوسرا پرندہ بولا، ''میرے عزیز! آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی، مگر ایک مسئلہ ہے؟'' پہلا پرندہ: ''کون سا مسئلہ؟'' دوسرے پرندے نے جواب دیا: ''وہ یہ کہ چین کی آب و ہوا اس وقت سندھ کی طرح گرم ہے، اس لیے ہمیں کچھ وقت کے لیے بہارستان میں رکنا پڑے گا، ویسے مجھے بھی چین ملک دیکھنے کا بہت شوق ہے، اس کے لیے ہمیں مناسب وقت اور موسم کا انتظار کرنا پڑے گا، تب تک ہمیں بہارستان کے عادل بادشاہ کی بادشاہی میں رہنا پڑے گا۔''

آخر کار دونوں پرندے باہمی رضامندی سے متفق ہو گئے۔ ان کی باتیں سن کر کمال نے سوچا کیوں نہ میں بھی ان پرندوں کے ساتھ بہارستان نامی ملک میں اپنی قسمت آزماؤں اور خوب پیسے کما کر اپنی والدہ کو آرام دے سکوں گا۔ اس نے سوچا جب یہ پرندے اُڑیں گے، تو اچانک چھلانگ لگا کر ایک پرندے کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں گا، وہ ان کے اُڑنے کا انتظار کرنے لگا، اب شام کے سائے چہار سو پھیلنے لگے تھے۔ پرندے اب نئی اُڑان کے لیے تیار تھے۔ کمال نے سرعت کے ساتھ ایک لمبی اور اونچی چھلانگ لگائی اور وہ ایک پرندے کی پیٹھ پر بیٹھنے میں کام یاب ہو گیا۔ دوسری طرف پرندوں نے اچانک ایک آدم زاد کو اپنے درمیان پایا، تو ڈر اور خوف کے مارے انہوں نے آسمان کی طرف اُڑان بھر لی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ فضاؤں میں پرواز کر رہے تھے، کمال نے پرندے کے پنکھ مضبوطی سے پکڑ رکھے تھے۔ فضا میں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اس پورے سفر میں دونوں پرندے خاموش رہے، شاید وہ ڈرے ہوئے تھے یا ایک آدم زاد کے وجود کو ٹھکانے لگانے کا سوچ رہے تھے، آخر کار دونوں پرندے نیچے آبادی سے کافی فاصلے پر ایک جنگل میں اترے۔ کمال نے موقع غنیمت جانا اور وہ بھی فوراً نیچے اتر آیا اور ایک طرف دوڑ لگا دی۔ وہ دونوں پرندوں سے خوف زدہ تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ جنگل سے کافی دُور نکل آیا۔ یہ رات کا وقت تھا اور موسم بھی کافی سرد تھا، وہ سردی سے ٹھٹھرتا ہوا آخر کار ایک شہر میں آ پہنچا۔ اس نے ایک آدمی سے شہر کا نام دریافت کیا، آدمی نے پہلے تو اس کا حلیہ دیکھا پھر جواب دیا: ''تم اس وقت ملک بہارستان میں موجود ہو اور یہاں پر بادشاہ ظہیر جان کی حکومت ہے۔'' کمال نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

آج شہر کو خوب سجایا گیا تھا، ہر طرف گہما گہمی تھی، بازاروں میں خوب رونق لگی ہوئی تھی، پورے شہر کو دُلہن کی طرح سجایا گیا تھا، ہر طرف شان دار رنگا رنگی روشنیوں اور پھولوں کی مہک سے شہر کی رونق دوبالا ہو گئی تھی، جب کہ لوگ مختلف ٹولیوں میں بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے، کمال لکڑہارا بھی صبح سے بھوکا تھا، پہلے جنگل اور پھر تھکا دینے والا سفر، وہ نڈھال ہو کر ایک ٹولی میں بیٹھ گیا اور ایک شخص سے دریافت کیا: ''بھائی صاحب یہ پورے شہر میں جشن اور دعوتِ طعام کس لیے؟'' وہ صاحب گویا ہوئے: ''ارے بھائی! آپ کو نہیں معلوم کہ آج رات یہاں بادشاہ ظہیر جان کی اکلوتی صاحب زادی شہزادی سبرینا کی شادی ہے اور اسی خوشی میں یہ جشن اور دعوت کا اہتمام کیا گیا ہے۔'' کمال نے بھی خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے ایک طرف بیٹھ گیا، وہاں سردی سے بچاؤ کے لیے سوکھی لکڑیاں جل رہی تھیں۔ لوگ اپنے ہاتھ سینک رہے تھے۔ کمال کو سندھ کی گرمی کی یاد آ رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اس اجنبی دیس میں کون سا کام کرے گا۔

جیسے جیسے رات گزرتی جا رہی تھی، ویسے ہی سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، تھکن کے باوجود نیند اس سے کوسوں دُور تھی، وہ سب سے الگ تھلگ بیٹھا آگ تاپ رہا تھا کہ اچانک ایک شخص اس کے پاس آیا اور کہا: ''شکل سے تم مزدور دکھائی دے رہے ہو۔'' کمال نے جواب دیا۔ میں یہاں مزدوری ہی کی غرض سے آیا ہوں۔'' وہ شخص اس کے پاس بیٹھ گیا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر سرگوشی کے انداز میں کہا: ''دیکھو مسافر دوست! میری بات غور سے سنو، تم نے میرا ایک کام کرنا ہے جس کے عوض میں تم کو دو ہزار دینار دوں گا، لیکن کام کچھ مشکل ہے اور رازدارانہ ہے، کیوں تم راضی ہو؟'' کمال غریب لکڑہارا تھا، دو ہزار دیناروں کا سن کر وہ سکتے میں آ گیا، ''اتنی بڑی رقم......!'' اس کے منہ سے نکلا تو دوسرا شخص ہنس کر بولا: ''میرے دوست اس سے بھی زیادہ ملے گا، بس ایک بات یاد رکھنا، اگر یہ بات کسی تیسرے شخص تک پہنچ گئی، تو

تیری خیر نہیں ہے، راز فاش ہونے پر تمہاری جان بھی جا سکتی ہے، تو پھر منظور ہے.....؟'' کمال نے سوچا کہ ایک ہی رات میں اتنی بڑی مزدوری مل رہی ہے اور ویسے بھی اس پرائے دیس میں میرا کون ہے جسے میں یہ راز والی بات کہوں گا، اتنی بڑی رقم اگر مجھے مل جاتی ہے، تو کل ہی میں سندھ کا رختِ سفر باندھ لوں گا اور واپس جا کر والدہ کی خدمت کروں گا اور کسی غریب اور نیک سیرت عورت سے شادی کر کے زندگی کے باقی دن سکون کے ساتھ گزاروں گا۔

''مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔'' اس شخص نے کمال کو ایک طرف آبادی سے تھوڑا دُور لے جا کر دو ہزار دینار کی پوٹلی اسے دیتے ہوئے کہا: ''یہ لو دینار اور اب میری بات غور سے سنو۔'' وہ شخص دائیں بائیں دیکھ رہا تھا، پھر سرگوشی والے انداز میں بولا: ''میرا نام اصغر ہے اور میں بادشاہ سلامت کے ہونے والے داماد شہزادے رُستم کا وزیر خاص ہوں۔ دراصل شہزادہ معمولی شکل و صورت کا ایک ادھیڑ عمر شخص ہے، جس کا باپ ایک ظالم بادشاہ ہے، کی بے شمار دولت اور بادشاہی کے بل بوتے پر بد صورتی کے باوجود بھی شہزادی سبرینا سے شادی کا خواہش مند تھا، چوں کہ نکاح اور رخصتی ہو چکی ہو گی، تو دُلہن شہزادی سبرینا ایک بد صورت شہزادے کے ساتھ گزارہ کرنے پر آمادہ ہو جائے گی لیکن اگر اس نے شہزادے کو دیکھ لیا، تو وہ کسی بھی صورت یہ شادی نہیں کرے گی اور بادشاہ ظہیر جان کو بھی یہ رشتہ منظور نہیں ہو گا، تو سوچو ہمارے بادشاہ سلامت اور شہزادے رُستم کی کتنی جگ ہنسائی ہو گی اور بادشاہ اپنی رعایا کے سامنے کس منہ سے جائے گا، ابھی تک شہزادے رُستم کا سامنا شاہی محل میں کسی سے نہیں ہوا۔

کمال نے تشویش زدہ لہجے میں کہا: ''آپ نے مجھے غریب مسافر سمجھ کر انعام کا لالچ دیا اور مجھے کسی کے ساتھ دھوکہ دہی اور فریب دینے کے لیے منتخب کیا۔'' وزیر نے مسکرا کر جواب دیا: ''ارے میاں! آپ آم کھاؤ، پیڑ کیوں گن رہے ہو، بس رات کے چند گھنٹوں کے لیے شہزادہ بن کر شہزادی کے پاس جانا ہے، لیکن یاد رہے کسی بھی صورت میں تم نے اس سے کسی بھی قسم کی بات چیت نہیں کرنی، بس کوئی بہانا بنا کر سو جانا اور صبح منہ اندھیرے شہزادی کو سوتا ہوا چھوڑ کر یہاں سے اتنی دُور بھاگ جانا کہ تمہارا سایہ بھی دوبارہ اس ملک میں دکھائی نہ دے۔'' کمال گہری سوچ میں پڑ گیا، اسے چند گھنٹوں کی اداکاری کے لیے دو ہزار دینار مل رہے تھے اور ویسے بھی شہزادی سبرینا کی شادی تو ایک بادشاہ زادے سے ہو رہی تھی تو اس میں کیا گورا، کیا کالا......'' اسے گہری سوچ میں دیکھ کر وزیر بولا: ''یہ لو رقم اور سوچو مت، ہمارے پاس وقت بہت کم ہے...... اب میرے پیچھے آؤ۔'' وزیر اسے شاہی مہمان خانے میں لے آیا اور ایک شاہی لباس تھماتے ہوئے کہا: ''تمہارا کام اب شروع ہوا، یہ شاہی لباس پہنو اور میری ہدایات کے مطابق عمل کرتے جاؤ، یاد رہے راز میں ہم دونوں کی سلامتی ہے، راز فاش ہونے کی صورت میں ہمیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا...... کیوں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں شہزادے رُستم......؟'' وزیر نے ابھی اسے شہزادہ مان لیا تھا، لیکن کمال کو عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے شاہی لباس زیب تن کیا اور وزیر کے اشاروں پر چلنے لگا۔ شاہی رسموں کے مطابق شادی کی سبھی رسمیں پوری ہو چکی تھیں، دُولہا اور دُلہن کے لیے محل کے ایک خاص کمرے کو سجایا گیا تھا، رات ابھی باقی تھی، شہزادے رُستم عرف کمال لکڑہارے نے ڈرتے ڈرتے دُلہن کا گھونگھٹ اٹھایا، تو شہزادی سبرینا کا حسن و جمال دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

شہزادی نے بھی اتنا خوب صورت دُولہا دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، لیکن دُولہے کی خاموشی دیکھ کر وہ حیران ضرور ہوئی۔ ''کیا بات ہے سرتاج! آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے۔'' کمال کی پُر اسرار خاموشی پر وہ کافی پریشان سی ہو گئی، کمال نے سوچا کوئی بہانہ کرنا چاہیے ورنہ شہزادی بار بار سوال پوچھے گی۔ ''دراصل شہزادی صاحبہ بات یہ ہے کہ میں نے منت مانی ہے کہ جب آپ سے شادی ہو گی تو دو تین دن میں کسی سے بات نہیں کروں گا، اس لیے آپ میری مجبوری کو سمجھتے ہوئے خاموشی سے سو جائیے، تین دن پورے ہوتے ہی ہم خوب باتیں کریں گے اور ہمارے ملک کی سیر بھی کریں گے۔ کمال کو اس وقت اپنی بوڑھی والدہ بہت یاد آ رہی تھی اور اس کی دُعا بھی کہ بیٹا! خدا کرے تمہاری شادی کسی بادشاہ زادی سے ہو۔ وہ دل ہی دل میں اپنی والدہ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا: ''اماں! دیکھو! آج آپ کی دُعا قبول ہو گئی اور میری شادی بہارستان کی شہزادی سے ہو گئی۔ اماں آج میں بہت خوش ہوں کہ

اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت اور دُعاؤں کے عوض ایک چاند سی دُلہن عطا فرمائی ہے، لیکن اماں! یہ دُنیا بہت ظالم ہے، ایسی بھولی بھالی خوب صورت شہزادی سے دھوکہ کیا جا رہا ہے۔ اماں ہم غریب لوگ کسی سے کیوں کر دھوکہ کریں گے، اگر میں نے شہزادی کو سب کچھ سچ بتا دیا، تو شہزادہ رُستم مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ میں کسی سے دھوکہ نہیں کر سکتا، اس لیے میں واپس سندھ آ رہا ہوں، مجھے پتا ہے کہ آپ میری وجہ سے کتنی پریشان ہوئی ہوں گی، لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب آپ کو اکیلا نہیں چھوڑ کر جاؤں گا۔'' وہ اپنی اماں کو یاد کرتے ہوئے روئے جا رہا تھا۔

آخر کار فجر کا وقت ہو گیا۔ دُلہن گہری نیند سو رہی تھی۔ کمال چپکے سے اٹھا اور ایک نگاہ اپنی دُلہن پر ڈالی اور وزیر کے دیے ہوئے دو ہزار دیناروں والی پوٹلی اس کے سرہانے رکھتے ہوئے اپنی انگلی میں پہنی ہوئی شاہی انگوٹھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے حسرت سے خود کلامی کی: ''اے شہزادی ہو سکے تو مجھے معاف کر کے بھلا دینا...... خدا حافظ۔'' کمال نے آنسو پونچھتے ہوئے خاموشی سے محل سے باہر کا رخ کیا اور صبح ہونے سے پہلے دُور کسی جنگل میں چلا گیا۔ وہ پورا دن مسلسل چلتا رہا، چلتا رہا اور شام کو تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ وہ سفر کی تھکاوٹ اور بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو گیا تھا، اس کے پاس صرف وہ شاہی انگوٹھی تھی جو شہزادی نے اسے تحفے میں دی تھی، وہ اب واپسی کا سوچ رہا تھا کہ اچانک اسے وہی پرندے دکھائی دیے جو اسے یہاں اُڑا کر لے آئے تھے، وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ''دوست! ہمارے قبیلے کے تو سارے پرندے چین ہجرت کر گئے ہیں، اب ہمارا یہاں رہنا محال ہے، ہم آج ہی چین کوچ کر جائیں گے اور ہاں! واپسی پر سندھ کے اس جنگل میں ضرور اُتریں گے جہاں ہمیں وہ آدم زاد ملا تھا، یار اس جنگل میں آموں کے بہت درخت ہیں اور یاد ہے ہم نے کس طرح آم کھائے تھے، دل چاہ رہا ہے کہ ایک دفعہ اور وہ آم کھائے جائیں، کیوں تمہارا کیا خیال ہے؟'' دوسرے پرندے نے بھی اس کی ہامی بھری، ''تو پھر اُڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' کمال کی تو جیسے خدا نے سن لی ہو، وہ تیزی سے ان کے قریب آیا اور موقع غنیمت جان کر ایک زبردست قسم کی اونچی چھلانگ لگا کر دوبارہ ایک پرندے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا، پرندے بھی اچانک ڈر

کے مارے فضا میں بلند ہو گئے، لیکن اس مرتبہ وہ بھی آدم زاد سے مانوس ہو گئے تھے اور آپس میں باتیں کرتے ہوئے آخر کار سندھ کے اسی جنگل میں آ کر اُترے، جہاں سے وہ اُڑ کر بہارستان گئے تھے، کمال بھی کمال پھرتی سے اُترا اور بہت سارے آم توڑ کر اپنے مہمان پرندوں کے سامنے پیش کیے، پرندے تو بیٹھے بیٹھے آم کھانے میں مصروف ہو گئے اور کمال نے بھی اپنے گھر کا رخ کیا، جب اس کی بوڑھی ماں نے اسے دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئی اور اپنے بیٹے کو سینے سے لگا کر ماں کی شفقت سے آبدیدہ ہو گئی۔ جب اس نے اپنی والدہ کو ساری کہانی سنائی تو وہ بھی حیران ہوئی۔

دوسری طرف کسی جاسوس نے شہزادے رُستم کا راز فاش کر دیا، بادشاہ ظہیر جان کو جب اصل حقیقت کا علم ہوا تو اس نے شہزادے رُستم اور اس کی بارات کو ملک بدر کر دیا۔

شہزادی سبرینا کو بھی صدمہ پہنچا، لیکن وقت پر ہی اسے شہزادے رُستم کی اصلیت کا پتا چل گیا۔ شہزادی نے اعلان کروایا کہ جو کوئی بھی اس کے شوہر کو ڈھونڈ کر لائے گا اسے ایک لاکھ دینار انعام میں دیئے جائیں گے۔ اتنے بڑے انعام کا سن کر پورے بہارستان میں ایک ہل چل سی مچ گئی۔

وقت گزرتا گیا، ادھر کمال نے دوبارہ اپنا پرانا پیشہ اپنا لیا۔ اس کی ماں اب بھی اسے کسی بادشاہ زادی سے بیاہ کی دُعائیں دیتی رہتی تھی۔ ایک دن وہ جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ دو اجنبی شخص اس کے پاس آئے اور شہر کا پتا معلوم کیا: ''میاں لکڑہارے! ہم بہارستان سے ایک ایسے شخص کی تلاش میں نکلے ہیں جو وہاں کی شہزادی سبرینا سے شادی کر کے بھاگ گیا ہے، شاید یہاں ہمیں وہ شخص کہیں مل جائے اور ہمیں ایک لاکھ دینار کا انعام مل جائے تو ہماری زندگی بن جائے گی۔'' کمال نے انہیں اپنے بارے میں پوری کہانی سنا ڈالی اور نشانی کے طور پر شہزادی کی دی ہوئی شاہی انگوٹھی بھی دکھائی۔

کمال اپنی ماں کے ہمراہ بہارستان پہنچ گیا۔ بادشاہ اور شہزادی سبرینا نے بھی ان کی بڑی تعظیم کی اور شہزادی سبرینا کی شادی بڑی دھوم دھام سے کمال نامی نوجوان سے ہو گئی ہے جس کی خوشی میں پورے شہر کو سجایا گیا۔ کمال لکڑہارا اب بہارستان کا بادشاہ تھا اسے یہ بادشاہی سچ بولنے اور اپنی والدہ کی دُعا سے نصیب ہوئی تھی۔

☆☆☆

مشغلے کا فائدہ

سید انیس احمد

صبح سویرے کا وقت تھا۔ موسم خوش گوار تھا۔ سلمیٰ اسکول جانے سے قبل حسب معمول اپنے گھر کی چھت پر آئی۔ چھت پر ایک طرف کئی گملے قطار در قطار رکھے ہوئے تھے۔ ان گملوں میں سرخ گلاب، موتیا، گیندا اور سدا بہار کے پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔

یہ سارے پودے سلمیٰ کی امی نے لگائے تھے۔ ان پودوں پر کھلے پھول بڑے خوش نما لگ رہے تھے۔ سلمیٰ اسکول یونی فارم میں تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ کی مٹھی میں پرندوں کے کھانے والا دانہ تھا جو اس نے گملوں کے آس پاس بکھیر دیا اور خود وہاں سے کچھ دُور ہوگئی۔ جہاں سلمیٰ نے دانہ بکھیرا تھا، وہاں اُڑتی ہوئی ایک چڑیا آئی پھر دوسری۔ اس طرح یکے بعد دیگرے کئی چڑیاں وہاں آئیں اور دانہ چگنے لگیں۔ سلمیٰ چڑیوں کو دانا دنکا چگتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی کہ اس کی امی کی نیچے سے آواز آئی۔ ''سلمیٰ بیٹی جلدی نیچے آجاؤ۔ اسکول سے دیر ہو رہی ہے۔'' ''جی امی! آرہی ہوں۔'' سلمیٰ نے کہا اور پھر جلدی سے سیڑھیوں کی جانب لپکی۔ کچھ دیر بعد وہ اور اس کا ننھا بھائی حسن اپنی امی کے ہمراہ اسکول روانہ ہوگئے۔ امی نے سلمیٰ اور حسن کو اسکول چھوڑا اور پھر وہ بھی اپنے کام پر چلی گئیں۔

سلمیٰ آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی جب کہ اس کا چھوٹا بھائی حسن دوسری جماعت میں تھا۔ ان کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا۔ وہ اپنی امی کے ساتھ ایک چھوٹے سے قصبے کے چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے۔ سلمیٰ کو چڑیاں اور دوسرے پرندے بہت اچھے لگتے تھے۔ بہت سارے پرندوں کے نام اسے زبانی یاد تھے۔ صبح و سہ پہر کو اپنے گھر کی چھت پر روزانہ چڑیوں کو دانہ ڈالنا سلمیٰ کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس کے گھر کی چھت پر کافی تعداد میں چڑیاں آتی تھیں۔ ان کی چہچہاہٹ فضاء میں گونجتی رہتی تھی۔ کچھ چڑیاں اٹھکیلیاں بھی کرتی تھیں۔ گرمی کے موسم میں چھت پر رکھے کھلے منہ والے پانی کے برتن میں ڈبکیاں لگاتی تھیں۔ سلمیٰ کو یہ مناظر بڑے دل فریب لگتے تھے وہ ان مناظر میں کھوسی جاتی تھی۔

ایک روز تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دوپہر سہ پہر میں ڈھل رہی تھی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ سلمیٰ کی امی نے گھر بھر کے میلے کپڑے دھو کر سوکھنے کے لیے چھت پر ڈالے تھے۔ اب سلمیٰ دھلے ہوئے کپڑے اُتارنے کے لیے چھت پر آئی تھی کہ اسی وقت دو سبز رنگ کے خوب صورت طوطے نہ جانے کہاں سے اُڑتے ہوئے آئے اور چھت پر اُترے۔ سلمیٰ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ دونوں طوطے چھت پر ایک طرف بکھرا ہوا دانہ دنکا جلدی جلدی چگنے لگے پھر انہوں نے پانی کے برتن سے پانی پیا اور چھت کی منڈیر پر بیٹھ کر ٹیں ٹیں کرنے لگے گویا اللہ کا شکر ادا کر رہے ہوں

کہ انہیں کھانے کو دانہ اور پینے کو پانی ملا۔ چند لمحوں بعد وہ ٹیں ٹیں کرتے ہوئے نامعلوم منزل کی جانب پرواز کر گئے۔

وقت کا پہیہ گھومتا رہا اور یوں بہت سارا وقت گزر گیا۔ سلمٰی اب میٹرک کر چکی تھی۔ وہ اب گھر میں رہتی تھی اور اپنی امی سے گھر کے کام کاج کرنا سیکھ رہی تھی۔ مثلاً گھر کی صفائی ستھرائی کرنا، کپڑے دھونا، کھانا وغیرہ بنانا، گھر اور گھر کی چیزوں کی دیکھ بھال کرنا تاکہ اپنے شوہر کے گھر جائے تو وہ گھر کے کام کاج آسانی سے کر سکے۔ سلمٰی کی امی اب اس کے لیے کوئی رشتہ ڈھونڈنے میں بھی لگ گئی تھیں۔ اپنے گھر کی چھت پر چڑیوں کو دانہ دنکا ڈالنا اب بھی سلمٰی کا دل پسند مشغلہ تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اب کافی بڑی ہوگئی تھی مگر اس نے اپنے مشغلے کو ہرگز ترک نہیں کیا تھا۔

سلمٰی کو میٹرک کیے تقریباً تین برس ہونے والے تھے کہ اس کی امی نے اپنے ہی جیسے ایک گھرانے میں اس کا رشتہ طے کر دیا۔ لڑکا سلمٰی کی طرح میٹرک پاس تھا اور دُور دراز کے ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ وہ لڑکا گاؤں کی حدود کے باہر ایک کارخانے میں کام کرتا تھا۔ سلمٰی کی شادی ہونے میں ایک مہینہ باقی رہ گیا تھا۔

ایک روز وہ چڑیوں کو دانہ ڈال رہی تھی۔ چڑیاں خوشی سے چہچہاتے ہوئے دانہ دنکا چگ رہی تھیں جب کہ سلمٰی غم کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اس کی امی چھت پر بچھی ایک چارپائی پر بیٹھی رات کا کھانا بنانے کے لیے سبزی کاٹ رہی تھیں۔ سلمٰی کی کیفیت ان سے چھپی نہ رہ سکی۔ آخر وہ بولیں۔

"بیٹی کیا بات ہے اتنی غمگین کیوں ہو۔"

"امی میرا تو اس گھر سے جانے کا وقت قریب آ رہا ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ میرے بعد ان چڑیوں کو روزانہ دانہ کون ڈالے گا۔" سلمٰی نے اداس لہجے میں کہا۔

"بیٹی تم فکر مت کرو۔ چڑیوں کو دانہ میں ڈال دیا کروں گی۔" اس کی امی جھٹ سے بولیں۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ امی جان۔" یہ کہتے ہوئے سلمٰی اپنی امی کے گلے لگ گئی۔

آخر کار سلمٰی کی شادی ہوگئی اور وہ اپنے شوہر کے گھر آگئی۔ یہاں اس کی ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس کا شوہر صبح سویرے کام پر چلا جاتا تھا اور شام کو واپس آتا تھا۔ سلمٰی دن بھر گھر کے کاموں میں مگن رہتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے اپنا مشغلہ جاری رکھنے کا بھرپور موقع بھی میسر تھا۔ وہ ایسے کہ اس گھر کے کچے مگر کشادہ صحن کے عین درمیان میں ایک ہرا بھرا درخت لگا ہوا تھا۔ جس کی شاخوں پر دن بھر میں بہت ساری چڑیاں، کوے، فاختائیں، لالیاں اور کئی طرح کے دوسرے پرندے آکر بیٹھتے تھے۔ کئی پرندوں کا تو مستقل ٹھکانہ اسی درخت پر تھا۔ اس گھر میں پرندوں کی موجودگی سے گویا سلمٰی کے دل کی کلی کھل گئی تھی۔ وہ خوشی سے نہال ہوگئی تھی۔ پہلے دن سے ہی اس نے پرندوں کو دانا ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ اس گھر کے پچھواڑے کھیتوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ بہت سارے پرندے وہاں سے بھی اُڑ کر اس گھر کے صحن میں دانا چگنے آجاتے تھے۔ سلمٰی کے شوہر کو بھی پتا چل گیا کہ سلمٰی پرندوں کو دانا وغیرہ بڑے شوق سے ڈالتی ہے۔ اسے اپنی بیوی کا یہ کام پسند نہیں آیا۔

وہ چھٹی کا دن تھا۔ سلمٰی کا شوہر گھر پر ہی تھا۔ سلمٰی حسب معمول صحن میں پرندوں کو دانا ڈال رہی تھی۔ مختلف پرندے چہچہاتے ہوئے دانا چگ رہے تھے کہ سلمٰی کا شوہر اس کے قریب آکر بولا۔

"تم پرندوں کو دانا ڈالتی رہتی ہو۔ کیا ملتا ہے تمہیں اس سے۔" اس کا لہجہ خاصا ناگوار تھا۔

سلمٰی بولی۔ "مجھے پرندے بہت اچھے لگتے ہیں۔ ان کو دانہ وغیرہ ڈال کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ کیا آپ میری خوشی میں خوش نہیں ہیں۔"

"میں تمہاری اس خوشی سے قطعاً خوش نہیں ہوں۔" اس کے شوہر نے قدرے سخت لہجے میں کہا پھر بڑبڑاتے ہوئے گھر سے نکل گیا کہ نجانے کیسے کیسے فضول قسم کے شوق پالے ہوئے ہیں تم نے۔ سلمٰی اس کی بڑبڑاہٹ سن کر گم صم سی ہوگئی۔ اسے اپنی امی کا گھر بہت یاد آیا جہاں اس کے مشغلے کی راہ میں کوئی روک ٹوک نہیں تھی مگر اب شوہر کے گھر میں جوں جوں دن گزرنے لگے تھے۔ اس کا شوہر روک ٹوک کرنے لگا تھا۔ ڈانٹنے ڈپٹنے بھی لگا تھا۔ بظاہر تو اس کے شوہر میں کوئی بُرائی نہیں تھی مگر سلمٰی کا پرندوں کو دانہ ڈالنا اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ سو اب اس نے اپنی بیوی کے مشغلے کی وجہ سے اسے بُرا بھلا کہنا بھی شروع کر دیا تھا۔ سلمٰی کو بہت دکھ ہوتا تھا مگر وہ خاموشی سے ہر دکھ کو سہہ جاتی تھی۔ اسے اپنے گھر میں دانہ دنکا چگنے کے لیے آنے والے پرندوں سے خاص

قسم کی انسیت ہوگئی تھی۔ وہ پرندوں کو دانا وغیرہ ڈالنے کے حوالے سے اپنے شوہر کی جلی کٹی باتیں سنتی رہتی تھی مگر اس کے باوجود اس نے معصوم و بے ضرر پرندوں کو دانا ڈالنا نہ چھوڑا۔

ایک صبح سلمیٰ کا شوہر کارخانے جانے کے لیے تیار ہوکر اندر والے کمرے سے نکلا اور صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ کر اپنی بیوی کو دیکھنے لگا جو پرندوں کو دانا ڈال رہی تھی۔ اس نے پرندوں کو دانا ڈالنا چھوڑا اور جلدی سے باورچی خانے میں گئی اور ناشتہ لاکر شوہر کے سامنے رکھا پھر خود بھی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ اس کا شوہر ناشتہ کرتے ہوئے فکر مندی سے بولا۔

''میری نوکری ختم ہونے والی ہے۔ اس نے کارخانے میں سب کام کرنے والوں کو کہہ دیا ہے کہ جلد از جلد اپنے اپنے روزگار کا بندوبست کرلیں۔'' ''یہ بیٹھے بٹھائے کارخانے کے مالک کو کیا سوجھی۔'' سلمیٰ نے کہا۔ ''میں نے تو سوچا ہے کہ اپنے گاؤں میں جو چھوٹا سا بازار ہے۔ وہاں کوئی چھوٹا موٹا ذاتی کاروبار کروں۔ اس کے لیے میں نے اپنی تنخواہ میں سے کچھ رقم بچا کر تقریباً چودہ ہزار روپے جمع کیے ہیں۔ لیکن کاروبار کے لیے کم از کم چالیس ہزار روپے ہوں تو کام شروع کرسکتا ہوں۔'' اس نے سلمیٰ سے پوچھا: ''تمہارے پاس کچھ رقم ہے کہ نہیں۔'' سلمیٰ نے بتایا کہ اس کے پاس دو تین ہزار روپے پڑے ہوں گے جو اس نے گھر کے اخراجات میں سے بچائے ہیں۔ ''اس سے بھلا کیا ہوگا۔ تمہیں پرندوں کو دانا ڈالنے سے فرصت ملے تو تم مستقبل کے بارے میں کچھ سوچو۔'' سلمیٰ کے شوہر نے ذرا غصے سے کہا اور پھر اٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ تقریباً تین ہفتوں کے بعد وہ کارخانہ جس میں سلمیٰ کا شوہر کام کرتا تھا بند ہوگیا اور وہ بے روزگار ہوگیا، اس کی پریشانی کے دن شروع ہوگئے تھے۔ ایسے میں سلمیٰ اسے تسلی دیتی کہ رزق دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ اس کے روزگار کا کوئی نہ کوئی بندوبست کسی نہ کسی طرح ضرور کرے گا۔

ایک دن سلمیٰ باورچی خانے میں کام کر رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر صحن کی طرف گئی تو اسے ایک نہایت خوب صورت پرندہ نظر آیا جو دیگر پرندوں کے ساتھ درخت کے نیچے بکھرا دانا دنکا چگ رہا تھا۔ سلمیٰ نے ایسا پرندہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ باورچی خانے سے نکل کر بے اختیار آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی درخت کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ اس پرندے کو دیکھ کر حیران ہورہی تھی وہ کبوتر جتنی جسامت رکھنے والا سنہرے رنگ کا قدرے لمبی چونچ والا نہایت خوب صورت پرندہ تھا۔ سلمیٰ جیسے جیسے آگے بڑھی، پرندے وہاں سے اُڑنے لگے۔ اس خوب صورت پرندے نے بھی اُڑان بھری مگر دوسرے پرندوں کے جھمگٹے میں وہ پوری طرح اُڑان نہیں بھر سکا۔ لگتا تھا کہ اس کا ایک پَر زخمی ہے۔ اُڑان بھرتے ہوئے وہ درخت کی ایک نوکیلی شاخ سے ٹکرایا اور پھر دھم سے نیچے آ گرا۔ سلمیٰ نے تیزی سے اس کی طرف بڑھ کر اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور پھر اس کا معائنہ کرنے لگی۔ اس پرندے کا ایک پَر واقعی زخمی تھا۔ درخت کی شاخ سے ٹکرا کر وہ مزید زخمی ہوگیا تھا۔ وہ اُڑنے کے قابل نہیں تھا۔ سلمیٰ نے اس کے زخمی پَر پر مرہم لگایا۔ جب تک وہ پرندہ اُڑنے کے قابل نہ ہو جاتا سلمیٰ اسے کسی محفوظ جگہ پر رکھنا چاہتی تھی۔ تاکہ اس کی مناسب دیکھ بھال کرسکے۔ اس نے اسے برآمدے میں موٹے اور سخت تنکوں سے بنے ہوئے ایک ٹوکرے کے نیچے رکھ دیا۔ وہیں دانا رکھا اور ایک چھوٹے سے برتن میں پانی بھی رکھ دیا۔

اب سلمیٰ خصوصی توجہ سے اس پرندے کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ ہر روز اس کے زخم پر تازہ مرہم لگاتی۔ سلمیٰ نے سوچا کہ جب یہ پرندہ ٹھیک ہوکر اُڑنے کے قابل ہو جائے گا تو اسے وہ اُڑا دے گی۔ پرندے آزاد فضاؤں میں ہی اچھے لگتے ہیں۔ دن بدن اس خوب صورت پرندے کا زخم اچھا ہورہا تھا۔ سلمیٰ کے شوہر نے بھی وہ خوب صورت پرندہ دیکھ لیا تھا۔ پل بھر کو وہ بھی مبہوت ہوکر رہ گیا تھا۔ ایسا خوب صورت پرندہ اس نے بھی پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ سلمیٰ آج کل اس پرندے کی بڑی دیکھ بھال کر رہی ہے یہ دیکھ کر وہ جل بھن گیا تھا۔ اس کا شوہر اب نوکریوں کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا بلکہ اپنا چھوٹا سا کوئی ذاتی کاروبار کرنا چاہ رہا تھا مگر اس کے لیے اس سے مطلوبہ رقم کا بندوبست نہیں ہورہا تھا۔

ایک روز اسے کسی ضروری کام سے دوسرے گاؤں جانا تھا۔ وہ صبح سویرے روانہ ہوگیا۔ اس گاؤں تک پہنچنے کے لیے اسے راستے میں ایک خاصا بڑا جنگل پیدل پار کرنا تھا جو اب اس سے چند فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس جنگل میں بے ضرر جانوروں اور پرندوں کا بسیرا تھا۔ کیوں کہ وہ پہلے بھی یہ جنگل کئی بار پیدل پار کرچکا تھا۔ وہ جنگل میں داخل ہوگیا۔ جنگل میں اسے مخصوص لباس میں چند

آدمی دکھائی دیئے۔ جنہوں نے جنگل میں ایک کیمپ لگایا ہوا تھا۔ گویا جنگل میں منگل کا سماں تھا۔ وہ ایک آدمی سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا کہ ''جناب جنگل میں بڑی رونق ہے۔ آپ لوگ کون ہیں اور یہ کیمپ وغیرہ کیوں لگا رکھا ہے۔'' اس آدمی نے بتایا کہ ہم جنگلی جانوروں اور پرندوں کے تحفظ کے سرکاری محکمے کے اہل کار ہیں۔ ہمارے افسرانِ بالا نے اس جنگل سے ایک نایاب پرندے کو تلاش کرنے کا کام ہمیں سونپا ہے کیوں کہ اس کی نسل ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس کی نسل کو ختم ہونے سے بچانے کے لیے وہ پرندہ پکڑنا بہت ضروری ہے۔ ہمارے محکمے کی معلومات کے مطابق اس نایاب پرندے کے اس جنگل میں پائے جانے کے قوی امکانات ہیں۔ مگر ابھی تک کافی تلاش کے باوجود وہ پرندہ ہمیں اس جنگل میں کہیں نظر نہیں آیا۔'' ''وہ ایسا کون سا پرندہ ہے کہ جسے پکڑنے کے لیے آپ سب کو تگ و دو کرنی پڑ رہی ہے۔'' سلمیٰ کے شوہر نے دل چسپی سے پوچھا۔ ''میں تمہیں اس پرندے کی تصویر دکھاتا ہوں۔ شاید تم اس پرندے کو پکڑنے میں ہماری کچھ مدد کر سکو۔ یا شاید تم نے یہ پرندہ کبھی دیکھا ہو۔'' یہ کہہ کر وہ سرکاری اہل کار سلمیٰ کے شوہر کو کیمپ کے اندر لے آیا اور میز پر پڑی ہوئی ایک تصویر اسے دکھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ ہے اس نایاب پرندے کی تصویر جسے پکڑنے کے لیے ہمیں بڑے پاپڑ بیلنے پڑ رہے ہیں۔ یہ پرندہ ہمیں کہیں سے مل جائے تو ہماری اس کام سے جان چھوٹے۔

سلمیٰ کے شوہر نے اس پرندے کی تصویر غور سے دیکھی اور پھر حیران ہو کر دیکھتا رہ گیا۔ یہ تصویر تو ہو بہو اس سنہری رنگت والے پرندے سے ملتی تھی جو اس کی بیوی سلمیٰ کے پاس گھر میں موجود تھا جس کا آج کل وہ علاج معالجہ بھی کر رہی تھی۔ ''اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو یہ تصویر والا پرندہ میرے گھر میں موجود ہے۔ پچھلے دنوں ہی میری بیوی کو زخمی حالت میں ملا ہے۔ وہ اُڑ نہیں سکتا لیکن میری بیوی اس کے زخم کا علاج کر رہی ہے۔'' سلمیٰ کے شوہر نے بات ختم ہی کی تھی کہ حلیے سے افسر نظر آنے والا ایک آدمی اسی وقت کیمپ کے اندر داخل ہوا۔ اس نے اندر آتے ہوئے سلمیٰ کے شوہر کی بات سن لی تھی۔ وہ فوراً بولا۔ ''جوان! اگر وہ نایاب پرندہ تمہارے گھر میں ہے تو تم اسے ہمارے حوالے کر دو۔ تمہیں اس کے بدلے میں محکمے کی طرف سے نقد معقول معاوضہ دیا جائے گا۔'' سلمیٰ کے شوہر نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ ''کتنا معاوضہ دیا جائے گا مجھے جناب۔'' اگر وہ پرندہ وہی ہوا جس کی ہمیں تلاش ہے تو تمہیں اس کا معاوضہ تمہاری سوچ سے بھی زیادہ دیا جائے گا۔ تم غریب آدمی لگتے ہو۔ تمہارا بھلا ہو جائے گا۔'' افسر نے کہا۔ ''یہ بات ہے جناب! تو میں ابھی گیا اور شام ہونے سے پہلے پہلے اس پرندے کو لے کر یہاں پہنچ جاؤں گا لیکن وہ پرندہ تھوڑا سا زخمی ہے۔'' سلمیٰ کے شوہر نے کچھ تشویش سے کہا۔ ''کوئی بات نہیں وہ پرندہ ہمیں زندہ سلامت چاہیے۔ اس کے زخم کا علاج ہم بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں۔'' افسر نے کہا۔ سلمیٰ کا شوہر سب کام بھول بھال گیا اور اُلٹے قدموں واپس اپنے گھر کی جانب روانہ ہوا۔ اسے تھوڑا سا خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ اس کی بیوی نے کہیں وہ پرندہ اُڑا نہ دیا ہو۔ لیکن اس کا خدشہ خدشہ ہی رہا کیوں کہ پرندہ گھر میں ہی تھا۔

گھر آ کر اس نے اپنی بیوی کو ساری روداد سنائی۔ اس نے خوشی خوشی وہ نایاب خوب صورت پرندہ اپنے شوہر کے حوالے کر دیا۔ اس کا شوہر وہ نایاب پرندہ لے کر اس جنگل میں پہنچ گیا اور سرکاری محکمے کے افسر کو دے دیا۔ افسر نے پرندے کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ پرندے کے حوالے سے ہر طرح سے اپنا اطمینان کیا کہ یہ سو فی صد وہی نایاب پرندہ تھا جس کی اس محکمے کو تلاش تھی۔ اس نے سلمیٰ کے شوہر کا شکریہ ادا کیا اور اس نایاب پرندے کا معاوضہ تیس ہزار روپے نقد رقم سلمیٰ کے شوہر کو تھما دی۔ تیس ہزار روپے پا کر سلمیٰ کے شوہر کی خوشی سے باچھیں کھل گئی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس پرندے کے عوض اتنی بڑی رقم مل جائے گی۔ جب وہ گھر آیا تو اس کے ہاتھوں میں اتنی بڑی رقم دیکھ کر سلمیٰ بھی بہت خوش ہو گئی تھی۔ اس نے مسرت بھرے لہجے میں اپنے شوہر سے کہا: ''اب آپ اس رقم میں اپنا چھوٹا موٹا ذاتی کاروبار کریں۔'' اس نے کہا: ''سلمیٰ ان روپوں پر تمہارا حق ہے۔ یہ تمہارے مشغلے کی وجہ سے ملے ہیں جسے میں ہمیشہ بُرا کہتا رہا ہوں۔'' سلمیٰ نے کہا: ''میرے پیسے آپ کے ہی پیسے ہیں۔'' سلمیٰ کا شوہر بہت شرمندہ تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی بیوی کے پرندوں کو دانا دنکا ڈالنے کے مشغلے کو بُرا کہتا رہتا تھا مگر آج اس کی بیوی کا مشغلہ اسے تیس ہزار روپے دے گیا تھا۔ اس رقم میں وہ اپنے گاؤں کے بازار میں اپنا ذاتی کاروبار کر سکتا تھا۔ آئندہ کبھی بھی اس نے اپنی بیوی کے مشغلے کو بُرا نہیں جانا بلکہ اس سلسلے میں ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ☆☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''تیمور بھائی خیریت تو ہے؟ اتنے اُداس کیوں دکھائی دے رہے ہو......؟'' جواد نے اپنے پڑوسی تیمور سے پوچھا۔

''ہاں! جواد بھائی، بس خیر ہی ہے۔'' تیمور نے ٹالنا چاہا۔

نہیں نہیں بھائی! کچھ تو ہے، ورنہ اتنے ہنستے مسکراتے چہرے پر ایسی اُداسی میں نے پہلی بار دیکھی ہے۔ جواد نے کریدتے ہوئے پوچھا۔

''منّا تو ٹھیک ہے ناں؟'' جواد نے جواب کا انتظار کیے بنا ایک اور سوال کر ڈالا۔

''ہمم! اتنے ارمانوں اور دُعاؤں کے بعد مجھے بیٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے! جواد بھائی نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے؟ دن بہ دن زرد ہوتا جا رہا ہے۔ تیمور نے آخر دل کا حال کہہ ہی ڈالا۔

''ارے! اُداس کیوں ہوتے ہو، کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ...... اللہ خیر کرے گا۔'' جواد نے دل جوئی کی۔

''کئی ڈاکٹروں کو دکھا چکے بھائی...... مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔'' تیمور نے افسردگی سے کہا۔

اچھا...... ڈاکٹر وسیم قریشی کو دکھایا......؟ بہت ذہین ڈاکٹر ہے اور بچوں کے امراض میں تو خوب ماہر ہے۔ جواد نے چمکتی اور پرامید نظروں سے مشورہ دیا کہ جیسے اس کے پاس جانے سے منّا ٹھیک ہی ہو جائے گا۔

''ہاں! فیس تو زیادہ ہی ہے ان کی...... مگر بچے کی جان سے بڑھ کر بھی بھلا کچھ ہو سکتا ہے۔'' جواد نے کہا۔

اور تیمور ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگا۔

☆☆☆

صائمہ...... شام کو منّے کو تیار رکھنا...... ڈاکٹر وسیم قریشی کے ہاں چیک اپ کروانے جانا ہے۔ تیمور نے بیوی سے کہا۔

''مگر...... اس ڈاکٹر کی فیس تو......''

''بس! تم فکر نہ کرو...... میں نے انتظام کر لیا ہے۔ تیمور، صائمہ کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

☆☆☆

''ارے! یہ آئرن کی دوائیاں پلا کر آپ نے بچے کو مزید نڈھال کر دیا، آپ نے اس ننھی سی جان کے ساتھ ظلم کیا ہے؟'' ڈاکٹر وسیم برہم ہو رہے تھے۔

''ڈاکٹر صاحب! ہم کم علم لوگ ہیں، آپ جیسے ڈاکٹروں سے ہی مشورہ کرتے ہیں، انہوں نے جیسا کہا...... ویسا کیا...... ہم نے۔'' تیمور لجاجت سے بولا۔

''اچھا...... اب یہ ٹیسٹ لکھے دے رہا ہوں، بچے کو تھیلیسیمیا کا مرض لگتا ہے۔ اس ٹیسٹ سے پکی تصدیق ہو جائے گی۔'' ڈاکٹر وسیم برہمی سے بولے۔

''مگر، ڈاکٹر صاحب اسے تو بخار اور چڑچڑاپن ہے؟'' صائمہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

''ہاں بھئی! یہی تو علامات ہیں..... اس مرض کی.....'' ڈاکٹر کی بات سن کر صائمہ منّے کو سنبھالتی ہوئی تیمور کے پیچھے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

''HB Electrophories'' جی، اس کے لیے رقم آپ اس کاؤنٹر پر جمع کروا دیں اور پھر مریض کو یہاں پرچی سمیت لے آئیں۔'' لیبارٹری انچارج نے پیشہ وارانہ انداز میں کہا۔

رقم.....؟؟ تیمور بڑبڑایا۔

''صائمہ چلو..... ٹیسٹ کل کروائیں گے۔'' تیمور نے سرگوشی کی۔

☆☆☆

''ہائے ربا! اتنی منتوں سے مانگا تھا دو بیٹیوں پر بھائی آیا، کس کی نظر کھا گئی؟ میرے بچے کو.....'' صغراں بی بی دُہائیاں دیے جا رہی تھی۔

جب سے منے کی تھلیسیمیا کی خبر پتا چلی تھی، محلے کی تمام عورتیں، ایک ایک کر کے صائمہ کے پاس آ کر تسلی دے رہی تھیں اور ان تسلیوں سے مزید دکھ بڑھ جاتا۔

''ہائے صائمہ! اس بیماری میں بچے چند سال ہی جیتے ہیں۔'' پڑوسن صغراں نے صائمہ کا دل دہلایا۔

''صائمہ تم جانتی ہو؟ اس بیماری کا علاج بہت مہنگا ہے، انسان کا بال بال بکا ہو جاتا ہے قرضوں میں، مگر پھر بھی مرض نہیں چھوٹتا۔ تم تو اب صبر ہی کر لو منّے پر۔'' یہ پڑوسن عالیہ تھی۔

''ہائے کیسا گل گوتھنا سا تھا، منا پیدائش کے وقت، میں نے تو اس کی نظر اُتار کر صدقہ دیا تھا، اب دیکھو ذرا ہلدی جیسا زرد ہو گیا ہے۔'' فاطمہ تاسف سے بولی۔

☆☆☆

تیمور بیٹا! صبر کرو..... اسلم چاچا نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ سبھی تیمور سے صبر کی تلقین کر رہے تھے مگر صبر کہاں سے آتا..... نہ جانے کون سی خطا ہو گئی تھی، تیمور کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور اس اندھیرے میں ایک اور تیر بڑے بھیا نے پھینکا، جس سے زخم زخم تیمور لہولہان ہو گیا۔

''ہائے اماں! اب میں نہیں رہنے کی صائمہ اور تیمور کے ساتھ..... نکالو! ان دونوں کو یہاں سے..... میرا اکلوتا بچہ بھی اس بیماری کی زد میں آ جائے گا.....'' سیما ہاتھ نچا کر بولی۔

''کیا ہوا؟ بڑی بہو! کیوں شور مچاتی ہو؟'' اماں بولی۔ ''اماں! جیسے منا تمہارا پوتا ہے۔ ایسے ہی ثمیر بھی تمہارا پوتا ہے اور ہماری تو اکلوتی اولاد ہے، بس یہ چھوت والی بیماری والے بچے کو نکالو یہاں سے، اگر میرا بچہ اس کی زد میں آیا تو میں نہیں چھوڑنے کی کسی کو بھی.....'' سیما چلاتے ہوئے بولی۔

اماں ابھی اس کا کچھ بھی جواب نہ دے پائی تھی کہ بڑے بھیا تیمور کو ہاتھ سے پکڑے کمرے سے باہر لائے۔ ''بھئی تیمور کل تک اپنا کہیں اور بندوبست کر لو، اب اس گھر سے تمہارا دانہ پانی اٹھ گیا ہے، ہم اپنے بچے کی جان پر کسی قسم کا خطرہ برداشت نہیں کر سکتے۔''

''بھائی جی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ بیماری چھوت نہیں ہے، اگر چھوت ہوتی تو پہلے میری بچیوں کو یا مجھے اور صائمہ کو ہوتی، آپ کا کمرہ تو اوپر ہے۔'' تیمور تحمل سے بولا۔

نہیں بھئی! یہ اپنی ڈاکٹری اپنے پاس رکھو..... کل ہی کہیں اپنا بندوبست کرو..... ہم کچھ نہیں جانتے۔'' بڑے بھیا سفاکی سے بولے۔

''اماں! آپ ہی کچھ بولیں..... یہاں میں منّے کے علاج معالجے کے خرچوں کا سوچ سوچ کر پریشان ہوں اور اوپر سے بڑے بھیا ایسی غیروں والی باتیں کر رہے ہیں۔'' تیمور رو پڑا۔

ماں کا دل بھی پسیج گیا اور پھر بڑے بھیا نے اپنا کھانا پینا مکمل طور پر الگ کر لیا۔ تیمور سے ملتے نہ ہی اس کے بچوں سے، جیسے بیماری اُڑ کر ان سے چپک جائے گی۔

☆☆☆

آخر کچھ قرضہ لے کر تیمور نے منّے کا ٹیسٹ کروایا تاکہ مرض کی نوعیت کا تعین ہو سکے۔ منّے کی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔

''آپ کے بچے کو تھلیسیمیا میجر'' ہے، ابھی اس کی عمر کے مطابق اسے ہر ماہ ایک بوتل خون کی لگے گی اور روزانہ ''ڈسفرال'' انجکشن لگوانا پڑے گا تاکہ آئرن (فولاد) کا اخراج ہو سکے۔ آپ کو ابھی فی الحال ماہانہ آٹھ ہزار خرچ آئے گا، جو آہستہ آہستہ بڑھتا جائے گا کیوں کہ بچے کی عمر کے ساتھ ساتھ اسے خون دینے کی مقدار بھی بڑھتی جائے گی۔'' لیبارٹری انچارج تیمور کو ساری تفصیلات سے آگاہ کیے جا رہی تھی جب کہ تیمور اخراجات کا سوچ سوچ کر ہی نڈھال ہو رہا تھا کہ اچانک ہی اسے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ ''ادھر آئیے۔ یہ صفحہ پکڑیے اس پر

''فاطمید فاؤنڈیشن'' کا پتا درج ہے، ان شاء اللہ یہاں آپ کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے، اللہ کا نام لے کر بچے کو یہاں لے جایئے۔'' اس فرشتہ صفت انسان نے تیمور کا رخ صحیح سمت موڑ دیا۔

تیمور ''فاطمید فاؤنڈیشن'' پہنچے۔ فاطمید میں جدید آلات اور معیاری چیزیں دیکھ کر دونوں بہت مرعوب ہوئے۔

''جی فرمایئے؟'' ایک اسٹاف نرس خوش اخلاقی سے بولی۔

''ووو...... وہ یہ......'' تیمور ہکلایا۔ ''اچھا......!!! میں سمجھ گئی۔''

نرس رپوٹیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی: ''آپ اس کمرے میں چلے جائیں ڈاکٹر وہاں ہیں۔''

تیمور اور صائمہ کمرے کی طرف بڑھے۔

''گھبرایئے مت! یہ ایک ٹیسٹ اور کروانا پڑے گا، آپ بچے کو لے کر سامنے ہال میں چلیں جائیں، وہاں موجود اسٹاف بچے کے خون کا نمونہ لے لیں گے۔''

دونوں یہ سوچتے ہوئے ہال میں آئے کہ نہ جانے یہاں کتنا خرچہ ہو۔ ''سنیں! چلیں واپس چلتے ہیں نہ جانے یہاں کتنے پیسے لگیں گے؟ ہمارے پاس اتنے پیسے کہاں ہیں؟'' صائمہ چپکے سے تیمور سے بولی۔

''رکو! پہلے پوچھ تو لیں کہ کتنا خرچہ ہوگا؟ تیمور نے پیشانی پر آئے پسینے کو پونچھتے ہوئے کہا۔

دونوں باتیں کرتے ہوئے ہال میں داخل ہوئے، جہاں پہلے ہی پچیس تیس بچوں کو خون لگ رہا تھا، مگر بچے اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے جیسے کوئی مسئلہ ہی نہیں، کوئی کھلونوں سے کھیل رہا تھا، کوئی نظموں کی کتاب پڑھ رہا تھا، کوئی کارٹون دیکھ رہا تھا، کوئی اسکول کا کام کر رہا تھا۔ ابھی صائمہ اور تیمور یہ سارا منظر حیرانی سے دیکھ رہے تھے کہ خون بھی لگ رہا ہے اور کوئی بچہ بیمار بھی نہیں لگ رہا ہے کہ اتنے میں اسٹاف نے انہیں پکارا۔

''جی...... سی بی سی ٹیسٹ آپ کے بچے کا ہے؟'' اسٹاف بولی۔

''جی، جی...... ہمارے بچے کا ہے......'' صائمہ نے جواب دے دیا۔

''آیئے...... بچے کو یہاں لٹایئے......'' اسٹاف مسکراتے ہوئے بولی۔

''ٹیسٹ کے پیسے تو پوچھ لیں...... اگر اتنے پیسے نہ ہوئے تو بے عزتی ہو جائے گی۔'' صائمہ نے تیمور کی قیص کا کونا کھینچتے ہوئے سرگوشی کی۔

''و...... و...... وہ اس ٹیسٹ کے کتنے پیسے ہوں گے؟ دراصل میرے پاس اس وقت زیادہ رقم نہیں ہے۔'' تیمور نے نظریں جھکاتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی بات نہیں...... آپ بے فکر ہو کر بچے کو لٹا دیجیے۔''

اسٹاف نے مسکراتے ہوئے کہا اور خون کا نمونہ لے لیا۔

''آپ باہر انتظار کیجیے، ٹیسٹ کی رپورٹ آتے ہی آپ کو پکارا جائے گا۔'' اسٹاف نے تیمور اور صائمہ سے کہا۔

آدھے گھنٹے بعد مُنّے کا نام پکارا گیا۔ تیمور، صائمہ اور مُنّے کو لے کر ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں جانے کا کہا گیا۔

''دیکھیے! بچے کے جسم میں خون کی مقدار بہت کم ہو گئی ہے، آپ جلد از جلد خون کا انتظام کیجیے۔'' ڈاکٹر پیشہ وارانہ لہجے میں بولا۔

''م...... م...... میں تو کسی کو نہیں جانتا جو خون دے سکے۔'' تیمور ہکلاتے ہوئے پریشانی سے بولا۔

''کوئی بات نہیں...... فی الحال بچے کی حالت کو دیکھتے ہوئے ہم خون اپنے پاس سے دے رہے ہیں، اس کو ہر ماہ خون لگے گا اور فولاد کم کرنے کی دوا اور انجکشن بھی روزانہ استعمال کروانے پڑیں گے، زیادہ تر تو ہم آپ کو اپنے پاس سے خون کا بندوبست کروا دیا کریں گے مگر کبھی ہمارے پاس خون کا بندوبست نہ ہوا تو آپ کو خود خون کا انتظام کرنا ہوگا، ہماری پوری کوشش ہوگی کہ آپ کو خون کا انتظام کم سے کم کرنا پڑے اور بچے کی تمام ضروریات ہم ہی پوری کریں، آپ بچے کے لیے خون آنے کا انتظار کریں اور اپنی رجسٹریشن کے کاغذات ریکارڈ آفس میں جمع کروا دیں۔'' ڈاکٹر نے تفصیلات بتا کر کہا۔

''م...... م...... مگر ڈاکٹر صاحب...... ان سب کے اخراجات کیا ہوں گے۔'' صائمہ بے چینی سے بولی۔

''ارے بھئی! ویسے تو اس علاج کا ماہانہ خرچا دس سے بارہ ہزار بنتا ہے اور وقت اور عمر کے ساتھ یہ خرچا بڑھتا جاتا ہے (اتنی بڑی رقم کا سن کر تیمور اور صائمہ کے منہ اُتر سے گئے) مگر یہ بتایئے کہ پیسے آپ سے مانگے کس نے ہیں؟ ڈاکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

صائمہ اور تیمور ڈاکٹر کے سوال پر حیرت سے دیکھنے لگے۔

''میری بہن! آپ پریشان نہ ہوں، فاطمید فاؤنڈیشن میں تمام تر علاج جدید ضرور ہے مگر یہاں تمام علاج، ٹیسٹ اور ادویات ساری زندگی کے لیے مفت فراہم کی جاتی ہیں۔'' ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

یہ سن کر صائمہ اور تیمور حیرت زدہ رہ جاتے ہیں انہیں یقین نہیں آتا کہ آج کے دور میں ایسا بھی ہوسکتا ہے اور وہ جذباتی ہو کر اشک بار ہو جاتے ہیں اور ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرنے لگتے ہیں۔

☆☆☆

مُنّا چار سال کا ہو چکا تھا، باقاعدگی سے مُنّے کو خون کی بوتل اور ڈسفرال کے انجکشن لگتے، ساتھ ہی مُنّے کو اسکول بھی داخل کروا دیا گیا تھا۔ صائمہ اور تیمور اس شخص اور فاطمید فاؤنڈیشن کو ہر وقت دُعائیں دیتے کہ جنھوں نے ان کے بیٹے کو نئی زندگی بخشی جب کہ عیبہ اور ناعمہ اپنے مُنّے بھائی کے ہر وقت ناز نخرے اٹھاتی پھرتیں۔

☆☆☆

''معزز والدین! آج کی ورکشاپ ''فاطمید فاؤنڈیشن'' کی طرف سے اس لیے منعقد کی ہے کہ آپ کو بتایا جائے کہ تھیلیسیمیا چھوت کا مرض ہے اور نہ ہی اس کے مریض اٹھارہ یا بیس سال کی عمر میں مر جاتے ہیں بلکہ ہر وقت علاج اور توجہ سے یہ بھی عام انسانوں کی طرح جیتے ہیں، آج ہم آپ کو ہماری فاؤنڈیشن کے ایک ایسے مریض اور اسٹاف ممبر سے ملوائیں گے جس کے والد صاحب کو کسی نے کہہ دیا کہ جب چند سالوں میں بچے کو مر ہی جانا ہے تو کیوں اس پر وقت اور پیسہ برباد کرتے ہو؟ چھوڑو...... اسے اور دوسری اولاد پر توجہ دو۔ پھر کسی مخلص نے فاطمید کی طرف توجہ دلائی اور آج ''مسٹر احسن'' (وہی بچہ) کام یاب زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ ایک صحت مند بچی کے والد ہیں۔ اس کے علاوہ اس ورکشاپ کا مقصد یہ بھی ہے کہ آپ خود اور اپنے دیگر عزیز و اقارب سے خون کے عطیات دینے کے لیے قائل کریں کیوں کہ اسی خون سے ان معصوموں کی زندگی کی بقاء ہے، ان کے چہروں پر تازگی اور مسکراہٹ ہے۔ اس خون کے عطیے سے آپ انسانیت کی خدمت کر کے آخرت کے لیے نیکیوں کا ذخیرہ کریں گے۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ خون دینے سے وہ کمزور ہو جائیں گے...... نہیں! بلکہ ہر چار ماہ بعد جو متواتر ایک بوتل خون دیتا ہے وہ دیگر لوگوں سے زیادہ چاق و چوبند رہتا ہے اور تاحیات بلڈ پریشر اور دل کی بیماریوں سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ اس عطیۂ خون پر بھی کتنے ٹیسٹ ہوتے ہیں اس میں مخصوص اجزاء نکالے جاتے ہیں وغیرہ۔ سب فاطمید کی جدید مشینری اور لیب سسٹم سے کر کے مریض تک آپ کا یہ عطیہ بلا معاوضے اور فیس کے پہنچایا جاتا ہے، آپ کا یہ تعاون نہ صرف آپ کے جسم کی زکوٰۃ بنتا ہے بلکہ آپ کی اپنی صحت کا ضامن بھی بنتا ہے۔''

ڈاکٹر صاحبان کی باتیں تیمور کو اپنے گھر کی کہانی لگ رہی تھی اور اب اس نے دل میں عزم کیا کہ خود بھی اس کارِ خیر کا حصہ بنے گا اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے گا۔ ☆☆☆

اس تقریب میں والدین کو یہ ترغیب بھی دی گئی کہ برائے کرم ''اٹھارہ سال'' تک کے ہر بچے کا تھیلیسیمیا ٹیسٹ ضرور کروائیں، تاکہ خدانخواستہ آپ کے بچے میں اس بیماری کے مائنر اثرات موجود ہیں تو آنے والی نسل کو اس بیماری سے بچانے کے اقدامات کیے جاسکیں۔

ہر ہفتے خون کی محتاج ہے زندگی
درد و الم کی کھلی کتاب ہے زندگی
مل جائے تو خون تو بڑی خوش گوار ہے زندگی
نہ ملے تو بڑی بے زار ہے زندگی
اہلِ درد چاہیں تو عطیہ کریں خون کا
بن خون، بڑی بے کار ہے زندگی
خون کے ساتھ ٹیکے بھی ضروری چاہییں
بظاہر تو اچھی ہے مگر بیمار ہے زندگی
نظر جو آتا ہے ایک رنگ سا بہار کا
یہ مانگے کی سرخی سے لالہ زار ہے زندگی
پھولوں کی سیج ہو گی کچھ لوگوں کے واسطے
ہم نے تو اکثر دیکھی ہے خار دار زندگی
باوجود سب دکھوں کے قائم و دائم ہے زندگی
یہ میرے رب کا کرم ہے کہ برقرار ہے زندگی

تھیلیسیمیا میجر کی مریض ''فصیحہ خالد'' کی اس نظم نے ہال میں بیٹھے ہر فرد کو اشک بار کر دیا۔ مگر درد کو سمجھنے والے آج ایک نئے جذبے کے ساتھ اٹھے تاکہ کچھ کرسکیں۔

''دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو'' ☆☆☆

اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ (بغیر مانگے عطا کرنے والا)

اَلْکَرِیْمُ جَلَّ جَلَالُہٗ وہ ہے جو مانگے عطا کرتا ہے۔

قرآن کریم میں یہ مبارک نام تین مرتبہ آیا ہے۔ اس لفظ کا اردو زبان میں پوری طرح ترجمہ کرنا مشکل ہے۔ عام طور سے اس کا ترجمہ ''سخی'' کیا جاتا ہے۔

عزیز ساتھیو! وہ رب کتنا کریم ہے جو ہمیں ہماری تمناؤں اور چاہتوں سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔ ساری نعمتیں ہمیں بغیر مانگے ہی عطا فرماتے ہیں۔ پھر اس کی نعمتیں ہر ایک کے لیے ہیں، چاہے وہ ضرورت مند ہو یا بادشاہ۔ وہ ہر ایک کی چھوٹی بڑی حاجت پوری فرماتا ہے۔

چھوٹی حاجت

حضرت موسیٰؑ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں بار بار چھوٹی چھوٹی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا تو مجھے شرمندگی ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی: ''اے موسیٰؑ میرے علاوہ کسی اور سے مت مانگو، یہاں تک کہ اپنے کھانے کا نمک اور اپنے چوپایوں کا چارہ بھی مجھ سے ہی مانگو۔''

اکھڑتی سانسیں

میں اور میری اہلیہ کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں اپنے بیٹے کے سانس کو اکھڑتے دیکھتا تو بے قرار ہوتا چلا جاتا۔ بخار سے وہ بُری طرح تپ رہا تھا۔ بے سدھ، بے ہوش...... ''شاید آخری......'' یہ سوچتے ہی جسم جھرجھری سے کانپ اٹھتا۔

کون باپ ہے جو اپنے بچے کی زندگی کے آخری لمحات کا خیال کرتا ہے؟

''نن...... نہیں...... ایسا نہیں ہے۔'' میں پاگلوں کی طرح اسپتال کی طرف بھاگا۔

رات کے سخت اندھیرے میں...... ہڈیوں میں اترنے والی اس سرد رات میں، مَیں اسپتال کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اہلیہ نے گھر سے نکلتے ہوئے شال اوڑھا دی تھی، ورنہ مجھے اس کا بھی ہوش نہ تھا۔ اسپتال بھی پندرہ منٹ پیدل راستے پر تھا۔

اسپتال سے پانچ منٹ پہلے ایک نالہ سڑک کی دائیں جانب بہہ رہا تھا۔ یکایک خیال آیا کہ مختصر راستہ اختیار کر لوں۔ میں نالے میں بنے ہوئے پل سے سیدھی طرف مڑنے لگا تو اچانک میری نظر ایک کتے کے چھوٹے بچے پر پڑی جو قریب واقع ہوٹل کی ٹیوب لائٹ کی روشنی میں صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ سردی سے بُری طرح ٹھٹھر رہا تھا۔ شاید وہ نالے میں گرا تھا اور پھر نالے کے پانی سے بھیگا ہوا نکلا، ایک طرف کھڑے سخت سردی میں کانپ رہا

تھا۔ وہ لاچار، مدد کا محتاج تھا۔ یہ بھی میرے رب کی مخلوق ہے۔ میرے دل میں اب بے اختیار ہمدردی جاگ اٹھی۔ میں نے فوراً اپنی پاک شال اس کتے پر اوڑھا دی اور قریب ہی آگ سینکتے ایک چوکی دار کے سامنے اسے ڈال دیا، آگ کی گرمائش سے اس کی کپکپاہٹ کم ہونے لگی۔

''بھائی پندرہ روپے کا گرم دودھ دے دو؟'' میں نے ہوٹل والے سے کہا۔ شاپر میں دودھ لیا تو مجھے ایک ٹوٹا ہوا صاف گملا ملا۔ وہ دودھ میں نے اسے پلا دیا۔ میری آنکھوں نے دیکھا کہ اس کی کپکپی کم ہو رہی ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے اسے سکون مل رہا ہے۔ وہ اپنائیت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ جیسے میرا شکریہ ادا کر رہا ہو۔

اب میں اسپتال کی طرف دوڑنے لگا۔ ''ڈاکٹر صاحب ج...... بچ...... جلدی...... کیجئے براہِ مہربانی ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے ڈاکٹر کو میں نے اپنی بات سمجھائی۔

''آپ اسپتال کی ایمبولینس کو لے جائیں اور بچے کو فوراً لے آیئے۔'' ڈاکٹر صاحب نے میری رہنمائی کی۔

ایمبولینس ہارن بجاتی ہوئی میرے گھر پہنچی۔ ''ہانیہ! جلدی...... جلدی...... کرو۔'' ''ارے یہ کیا!!'' میں حیران ہو گیا۔ جس بچے کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں، جس کی زندگی کی ڈور کٹتی محسوس ہو رہی تھی، وہ بچہ صحن میں بڑے مزے سے کھیل رہا ہے۔

''آپ کے چند منٹ کے جانے کے بعد ساجد کا بخار کم ہوتا چلا گیا اور اس کی اکھڑتی سانسیں بحال ہونا شروع ہو گئیں۔ بے سدھ، بے ہوش بچہ اٹھ کر کھیلنے لگا۔ میں خود حیران ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی مدد ہوئی کہ بغیر ڈاکٹر و علاج کے بیٹا ٹھیک ہوتا چلا گیا اور اب صحن میں کھیل رہا ہے۔'' میری اہلیہ نے بتایا۔ میں نے اپنی اہلیہ کو اس کتے کے بچے کا بتایا تو ہم دونوں یہ کہے بغیر نہ رہ سکے۔ ''جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرتا ہے تو وہ کریم رب ان پر کرم کرتا رہتا ہے۔''

یاد رکھنے کی باتیں

☆ ہم بھی اپنے بہن، بھائیوں، دوستوں، رشتہ داروں کے ساتھ مہربانی کریں۔ اگر کوئی ناگوار بات ہو جائے تو معاف کر دیں۔

☆ جب وہ اتنا کریم ہے کہ ہماری ہر چھوٹی اور بڑی حاجت پوری فرماتا ہے تو پھر ہم دوسروں سے کیوں مانگیں اور دوسروں سے سوال کیوں کریں؟

جی ہاں! کیوں کہ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ حیا والا اور کرم والا ہے، جب کوئی بندہ اس کی بارہ گاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو شرم آتی ہے کہ اس بندے کو خالی ہاتھ لوٹائے۔

☆☆☆

مہمان آگیا

افضل جو ہے مہینہ وہ رمضان آگیا
سر پر سجائے اپنے قرآن وہ آگیا
عرشِ بریں سے فرش پہ آئی کیا کتاب
مخزنِ تمام دانش و عرفان آگیا
شیطان پھر رہا ہے پریشاں اِدھر اُدھر
ہر سو بلادِ شرک میں طوفان آگیا
مل جائے گی نجات گناہوں سے سب کو اب
ممکن ہے ایسا ہونا وہ امکان آگیا
عاصی کے واسطے درِ توبہ کے کھل گیا
ہر خاص و عام کے لیے اعلان آگیا
غفلت کو چھوڑ کر سبھی ہو جائیں مستفید
بخشش کا ہر لحاظ سے سامان آگیا
وہ جو ہزار ماہ سے افضل ہے ایک رات
آئے گی اس مہینہ میں فرمان آگیا
جنت کا اس کے پاس ہے پروانہ و کلید
گویا کہ خود زمین پہ رضوان آگیا
مومن کے واسطے دوائے سکونِ دل
اس کی چلا کا نسخۂ آسان آگیا
روزہ ہے دن میں شب کو تلاوتِ کلامِ پاک
ہر ہر قدم پہ ہر جگہ فیضان آگیا
ہوں گی ہزار بارشیں رحمت کی روز و شب
جس کے طفیل ہوں گی وہ مہمان آگیا
عظمت تو اس مہینہ کی ثابت ہے کہ جس میں
نازل ہوا قرآن وہ رمضان آگیا

(قاضی خورشید عالم صدیقی ایڈوکیٹ)

میری زندگی کے مقاصد

رامین عاصم، لاہور

میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

طلحہ امین، راول پنڈی

میں بڑا ہو کر پاک فوج میں جا کر اپنے ملک کی حفاظت کروں گا۔

آمنہ یوسف، لاہور

میں آرمی میں ڈاکٹر بن کر ملک کا نام روشن کروں گی۔

اریان حیدر، گوجر خان

میں بڑا ہو کر انجینئر بنوں گا اور ملک کی خدمت کروں گا۔

سبحان اصغر، لاہور

میں بڑا ہو کر انجینئر بنوں گا اور ملک کی خدمت کروں گا۔

فاطمۃ الزہراء، فیصل آباد

میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

ندا نوید، راول پنڈی

میں بڑی ہو کر ٹیچر بننا چاہتی ہوں۔

کلثوم، لاہور

میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

محمد عثمان، ذوالفقار، ساہیوال

ڈاکٹر بن کر عوام کی خدمت کروں گا۔

محمد احمد، کہوٹہ

میں حافظ بنوں گا اور دین کی سرفرازی کے لیے کام کروں گا۔

ایمان مجتبیٰ ملک، فیصل آباد

میں پروفیسر بن کر ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔

مدثر، لاہور

میں بڑا ہو کر کرکٹ کھیلوں گا اور انڈیا کو شکست دوں گا۔

اسامہ بن خرم، گوجر خان

میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت کروں گا۔

محمد مزمل حفیظ، ڈیرہ غازی خان

تعلیم مکمل کرنے کے بعد ملک کی خدمت کروں گا۔

مبشر اعظم، حویلی لکھا

میں بڑا ہو کر کمانڈو بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

محمد انیس صدیقی، ملتان

میں آرمی میں جا کر اپنے ملک کے لیے اپنی جان قربان کروں گا اور اپنے ملک کی حفاظت کروں گا۔

ایمان حیدر، راول پنڈی

میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

محمد احمد، کروڑ لعل عیسن

میں بڑا ہو کر انسانیت کی خدمت کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

شاہ زیب صفدر، گجرات

میں بڑا ہو کر آرمی میں جاؤں گا اور اپنے ملک کی حفاظت کروں گا۔

خاص بچے

ہم خاص بچے سب سے ہیں اچھے
ذہن کے ہیں پکے ہم خاص بچے
معذور ہیں تو غم کیوں کریں ہم
دن رات آہیں کیوں کر بھریں ہم
رب نے بنایا ہمت کا پیکر
سو خوبیاں دیں اک نقص دے کر
رب نے عطا کی ہم کو ذہانت
دی سب سے بڑھ کر عقل و فراست
محنت سے کرتے ہیں کام سارے
دھرتی کے ہیں ہم تو چاند تارے
نام اس وطن کا روشن کریں گے
سب دشت اس کے گلشن کریں گے
یاسین ہم ہیں جگنو وطن کے
ہم ہیں سریلے نغمے چمن کے

(یاسین ایم آرزو)

اقوال زریں

☆ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ (حضرت محمدؐ)

☆ موت سے محبت کرو تو زندگی عطا ہوگی۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

☆ آزادی کی حفاظت نہ کرنے والا غلامی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ (حضرت علیؓ)

☆ جو گن گن کر کام کرتا ہے اس کا اجر بھی گن گن کر ملتا ہے۔

(حضرت بایزید بسطامیؒ)

☆ دعوت قبول کرنے میں امیر اور غریب کا فرق مت کرو۔

(امام غزالیؒ)

☆ مفلس کو تھوڑی اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے، آسودہ حال کو بہت کی اور لالچی کو تمام اشیاء کی۔ (بقراط)

☆ جو دشمن بظاہر دوست ہو، اس کے دانتوں کا زخم زیادہ گہرا ہوتا ہے۔

☆ دشمن کے ساتھ بے موقع نرمی کرنا اسے شیر بنا دیتا ہے۔

☆ اگرچہ معاف کرنا اچھا ہے لیکن لوگوں کو ستانے والے کے زخم پر مرہم نہ رکھ۔ (شیخ سعدیؒ)

(محمد عادل آصف، چونیاں)

آیئے مسکرایئے

نامور سائنس دان آئن سٹائن ایک ہوٹل میں کھانا کھانے گئے۔ بیرا ان کے پاس کھانوں کی فہرست لے کر آیا۔ لیکن مشکل یہ آپڑی کہ آئن سٹائن اپنی عینک گھر بھول آئے تھے۔ انہوں نے فہرست کو آنکھوں کے قریب لا کر اور پھر دُور ہٹا کر پڑھنے کی کوشش کی۔ آخر تنگ آ کر بیرے سے کہا: ''ذرا پڑھ دیجیے گا۔''
بیرے نے کہا، ''معاف کیجیے گا۔ میں بھی آپ کی طرح ان پڑھ ہوں۔'' (نفیسہ فاطمہ قادری، کاموکی)

نظم

دل سٹوڈنٹ تجھے ہوا کیا ہے؟
آخر اس ٹیسٹ کی دوا کیا ہے؟
بائیو کی کچھ سمجھ آتی نہیں
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟
ہم کو مس سے ہے رحم کی اُمید
جو نہیں جانتی رحم کیا ہے؟
کوئی پوچھے یہ بھائی نیوٹن سے
ثقل کیا ہے؟ انرشیا کیا ہے؟
رٹتے رہتے ہیں فیثا غورث کو
ہم سا کوئی مظلوم کیا ہے؟

(محمد عثمان جمیل)

خواب

میں ایسی دُنیا کا خواب دیکھتی ہوں جہاں کوئی انسان کسی سے نفرت نہ کرے جہاں محبت زمین کو نواز دے اور امن انسانیت کے راستے سجا دے۔ میں ایسی دُنیا کا خواب دیکھتی ہوں جہاں سب لوگ پُرمسرت آزادی کا مزہ جانتے ہو، جہاں لالچ روح کو

کم زور نہ کرے۔ نہ کوئی لالچ ہمارے ذہن کو برباد کر سکے۔ میں ایسا خواب دیکھتی ہوں جہاں گورے، کالے خواہ کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں آپس میں پیار بانٹیں۔ میں ایسی دُنیا کا خواب دیکھتی ہوں جہاں ہر شخص آزاد ہو کوئی کسی کا غلام نہ ہو۔ میں ایسی دُنیا کا خواب دیکھتی ہوں جہاں سب مل جل کر رہیں اور پوری دُنیا ہی جنت بن جائے۔

(نمرہ ندیم، لاہور)

دانائی کی باتیں

☆ اللہ تعالیٰ کا خوف دانائی کی اصل بنیاد ہے۔
☆ اعتماد دوستی کے رشتے کو مضبوط کرتا ہے۔
☆ علم ایسا پھول ہے جو کبھی نہیں مرجھاتا۔
☆ جس چیز کے بارے میں علم نہیں اس کے بارے میں کچھ نہ کہو۔
☆ اچھائی کا جاننا ہی کافی نہیں، اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کرنا بھی بہت ضروری ہے۔
☆ عقل مند سوچ کر بولتا ہے، بے وقوف بول کر سوچتا ہے۔
☆ جاہل کے لیے سب سے اچھی بات خاموشی ہے۔
☆ روپے کی قدر وہی جانتا ہے جس نے اپنی محنت اور مشقت سے کمائی کی ہو۔
☆ جو عیب سے آگاہ کرے وہی دوست ہے۔
☆ ہر جاہل آدمی جو آج بلندی میں ہے کل پستی میں تھا۔

(واجد علی، راول پنڈی)

دوسرا پہلو

بغداد کے مشہور عالم ابن سماکؒ نے ایک روز اپنی کنیز سے دریافت کیا۔ ''میری تقریر کیسی ہوتی ہے۔''

کنیز نے جواب دیا: بہت اچھی لیکن اس میں ایک عیب بھی ہوتا ہے، آپ ایک ایک نکتے کو بار بار دہراتے ہیں۔

ابن سماک نے کہا: ''میں ایسا اس لیے کرتا ہوں کہ کم سمجھ والے لوگ بھی میری بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔''

کنیز بولی: ''آپ کا خیال درست سہی، لیکن مشکل یہ ہے کہ جب تک کم سمجھ والے لوگ آپ کی بات سمجھیں، سمجھ دار لوگ محفل سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔

(فائزہ رزاق، خانیوال)

سنہری باتیں

☆ ہم نے خدا کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہ کیا۔
☆ ہم نے قرآن پاک پڑھا مگر اس پر عمل نہ کیا۔
☆ ہم نے جنت کو چاہا مگر اس کو پانے کی تیاری نہ کی۔
☆ ہم نے مُردوں کو دفن کیا مگر اس سے عبرت حاصل نہ کی۔
☆ ہم نے جہنم سے پناہ مانگی مگر اپنے نفس کو اس سے نہ بچایا۔
☆ ہم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھائیں مگر اس کا شکر ادا نہیں کیا۔
☆ ہم نے دُنیا کو اچھا بنانے کی کوشش کی مگر آخرت کی فکر نہ کی۔
☆ ہم نے وقت کو پایا مگر اس کی قدر نہ کی۔

(اقراء رشید، تاندلیانوالہ)

حکمت کی باتیں

☆ جو تیرے سامنے دوسروں کی بُرائی کرتا ہے وہ دوسروں کے سامنے بھی تیری بُرائی کرے گا۔
☆ اگر وعدے کم ہو جائیں تو ان کے پورے ہونے کے امکان بھی زیادہ ہوتے ہیں۔
☆ اچھی چیز حاصل کرنا خوبی نہیں۔ اس کا بہترین استعمال خوبی ہے۔
☆ خود اعتمادی کامیابی بڑا راز ہے۔
☆ علم ایسا بادل ہے جس سے رحمت برستی ہے۔
☆ موتی کیچڑ میں گر جائے پھر بھی موتی ہی رہتا ہے۔
☆ ''مطالعہ'' غم اور اُداسی کا بہترین علاج ہے۔

(حفصہ اعجاز، صوابی)

یہ سچ ہے کہ

☆ جس درخت کی لکڑی نرم ہو، اتنی ہی اس کی شاخیں گھنی ہوتی ہیں۔
☆ جس کی تعلیم صحیح ہو وہ آنکھ سے بھی دیکھتا ہے، دماغ سے بھی اور دل سے بھی۔
☆ جو شخص ہوش میں نہ ہو وہ غرور نہیں کر سکتا۔
☆ استاد بادشاہ نہیں ہوتا لیکن بادشاہ بناتا ہے۔
☆ جڑیں سلامت ہوں تو ٹنڈ منڈ درختوں پر بھی موسم بدلتے ہی پھول آجاتے ہیں۔
☆ دعا ایک ایسی چیز ہے جس سے بڑی سے بڑی آرزو کی تکمیل میں مدد ملتی ہے۔

(صباحت فاطمہ، حویلی لکھا)

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُم مریم	نایاب جیلانی	ایماءے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اندھوں میں کانا راجا

زبیدہ سلطانہ

کسی بستی میں بہت سے نابینا رہتے تھے۔ آنکھوں سے محروم ہونے کی وجہ سے انہیں اپنے روزمرہ کاموں میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ چلنے پھرنے تک میں بے چارے ایک دوسرے سے ٹکراتے پھرتے تھے۔ کام بگڑ جاتے تو اکثر آپس میں الجھ پڑتے۔ کوئی ان کی رہنمائی کرنے والا نہ تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ایک شخص اس بستی کی طرف آنکلا۔ وہ ایک آنکھ سے معذور تھا۔ اس نے ان بے چارے اندھوں کی حالت دیکھی تو اسے ان پر بڑا ترس آیا۔ اس نے خود ان کے درمیان رہ کر ان کی حالت سدھارنے کا ارادہ کر لیا۔ ویسے بھی اپنے علاقے میں اس کی کچھ عزت اور قدر نہ تھی۔ سب اسے ''کانا کانا!'' کہہ کر پکارتے تھے۔

اس نے اپنی جمع پونجی ان نابینا لوگوں پر خرچ کر کے ان کی حالت سدھاری۔ ایک مولوی مقرر کر کے انہیں قرآن پاک حفظ کرایا اور وہ اب بھیک مانگنے کے بجائے ختم قرآن کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے۔ ان کے محسن نے ان کی باقاعدہ ایک تنظیم بنا دی۔ مخیّر لوگ انہیں عطیے دینے لگے۔ چند ہی سالوں میں ان کی غلیظ بستی میں پکے اور صاف ستھرے مکان بن گئے۔ وہ بے چارے نابینا لوگ اچھی زندگی بسر کرنے لگے اور اپنے محسن کی بڑی عزت و قدر کرنے لگے۔ وہ ان کی بستی کا حاکم بن گیا مگر اس کے ایسے نیک کاموں کے باوجود لوگوں نے اس کے ذرا سے جسمانی نقص کو نظر انداز نہ کیا۔

ایک روز کسی ہجوم میں اندھوں کی اس بستی کا ذکر ہو رہا تھا۔ کچھ لوگ ان کے رہنما کی تعریفیں کر رہے تھے کہ ایک ستم ظریف بول اٹھا......

''ہاں صاحب کیا بات ہے اس بستی کی، دیکھ لیجیے، کانا اندھوں میں راجہ بن بیٹھا ہے......'' اس بات پر لوگ بے اختیار ہنس دیے۔ اس شخص کا یہ فقرہ دراصل ایک ضرب المثل ہے جس کا مطلب ہے کہ جب چند ناقص لوگوں میں کوئی ایک ذرا بہتر نظر آئے تو کہتے ہیں کہ بھئی! یہ تو اندھوں میں کانا راجہ ہے۔

☆☆☆

محنت کی عظمت

رسول اکرم ﷺ نے محنت کش طبقے اور مزدوروں کی عزت نفس اور ان کے تحفظ کے حوالے سے ارشاد فرمایا: ''محنت کشوں کی عزت کرو، جتنی اپنی اولاد کی کرتے ہو اور ان کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، ایک اور موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے ماتحتوں سے بد خلقی اور بد معاملگی کرنے والے جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔''

آپؐ نے فرمایا: جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے کہ سوال سے بچے اور اہل و عیال کی کفالت کرے اور ہمسائے کی مدد کرے تو قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔''

(احور کامران، لاہور)

☆☆☆

دو نوکر اور ایک کم سن لڑکا عمر یہی کوئی گیارہ بارہ سال کی۔ ایک باغ میں دوڑ رہے تھے ان کے آگے آگے ایک شیر کا بچہ تھا۔ لڑکا نوکروں سے چند قدم پیچھے تھا۔ آگے جا کر نوکروں نے شیر کے بچے کو گھیر لیا۔ جونہی ایک نوکر اس کے گلے کی زنجیر پکڑنے کے لیے جھکا، اس نے غرا کر اپنے دونوں اگلے پنجے اٹھا دیئے۔ نوکر گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا ساتھی ڈر کے مارے پہلے ہی پیچھے ایک طرف ہو گیا تھا۔ کم سن ساتھی آگے بڑھا اور اس نے اطمینان سے شیر کے بچے کے جسم پر ہاتھ پھیرنے کے بعد اس کی زنجیر پکڑی اور اسے نوکر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ''لو اب اسے لے جاؤ۔'' نوکر جو اب تک ڈرا ہوا تھا بولا۔ ''حضور یہ کاٹتا ہے۔''

''تم خواہ مخواہ ڈرتے ہو۔ یہ دیکھو!'' لڑکے نے یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ شیر کے بچے کے منہ کے سامنے کر دیا۔ شیر کا بچہ لڑکے کے ہاتھ چاٹنے کے بعد اس کے پاؤں میں لیٹ گیا۔

اس بہادر لڑکے کا نام فتح محمد تھا جو تاریخ میں ٹیپو سلطان شہید کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ لڑکا جس قدر بہادر تھا اس قدر پڑھنے لکھنے میں بھی بہتر تھا۔ ذہین اتنا تھا اور ایسا دل لگا کر پڑھتا تھا کہ اسے سبق دوبارہ پڑھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

اس لڑکے کا باپ سلطان حیدر علی ہندوستان کی ایک چھوٹی سی ریاست میسور کا بادشاہ تھا۔ سلطان حیدر علی خود بھی ایک بہادر آدمی تھا۔ لیکن بدقسمتی سے زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ قدرت نے میرے ہاتھ میں صرف تلوار دی ہے لیکن میرے بیٹے کے ہاتھ میں علم بھی ہوگا۔

اس لڑکے کو پڑھانے کے لیے ریاست کے بہترین استاد مقرر تھے۔ اساتذہ لڑکے کی قابلیت کی وجہ سے نہایت دل چسپی اور توجہ کے ساتھ اسے پڑھایا کرتے تھے۔

شہزادہ فتح علی چوں کہ بچپن ہی سے محنتی اور جفاکش تھا لہٰذا بہت کم عمری میں اس نے اسلامی علوم حاصل کر لیے۔ عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی اور اردو وغیرہ پر عبور حاصل کر لیا۔ اس کے علاوہ اس زمانے کے لڑنے والے طریقوں یعنی شمشیر زنی، تیر اندازی، نیزہ بازی اور تیراکی وغیرہ میں بھی اس نے خوب مہارت حاصل کر لی اور بہت جلد لڑائی کے جدید طریقوں سے واقف ہو گیا۔

1765ء میں جب اس کی عمر پندرہ سال تھی۔ اپنے والد کے ساتھ ایک علاقے مالا بار پر حملہ آور ہوا۔ جہاں اس نے صرف تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ دشمن کے ایک بڑے لشکر کو گرفتار کر لیا۔ جس

پر اس کے والد سلطان حیدر علی نے خوش ہو کر اسے اپنی محافظ فوج میں شامل کر لیا اور جاگیر عطا کی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز ہندوستان میں تجارت کے بہانے آکر اپنے قدم جما رہے تھے۔ اپنی چالاکی اور عیاری سے انہوں نے یہاں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ ان کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ یہی میسور کی ریاست تھی۔ جہاں سلطان حیدر علی اور شہزادہ فتح علی ان کی کسی کوشش کو کام یاب نہ ہونے دیتے تھے۔

شہزادے کی عمر 30 سال تھی، جب سلطان حیدر کا انتقال ہوا اور شہزادہ سلطان ٹیپو بادشاہ بنا۔ بادشاہ بن کر اس نے اپنی رعایا کی بہتری کے لیے بہت سے کام کیے۔ سب سے پہلے اس نے اپنی فوج کو منظم کیا۔ اس نے باقاعدہ رجمنٹیں مقرر کیں اور ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ اس سے پہلے ہندوستان میں ماہوار تنخواہ کا تصور بھی نہیں تھا۔

اسے اپنی ریاست اور عوام سے بے حد محبت تھی اگرچہ اس کا زیادہ وقت میدانِ جنگ میں گزرا۔ اس کے باوجود جتنا بھی وقت ملا اس نے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے صرف کیا۔ عوام کی ترقی کے لیے بڑے بڑے کام کیے۔

آبادی و زرخیزی اور بہترین انتظام کی بدولت ریاست میسور ایک شان دار سلطنت بن گئی تھی۔ انگریز تو اس کے پہلے ہی دشمن تھے، اس کے پڑوسی بھی اس سے حسد کرنے لگے۔ اس کے خلاف دشمنوں کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ اسے غلامی کی زندگی پر مجبور کیا جانے لگا لیکن وہ آزادی کا دیوانہ تھا اور آزادی کے لیے وہ عمر بھر انگریزوں اور دوسرے دشمنوں سے لڑتا رہا۔ اس کے سارے دشمنوں نے اسے شکست دینے کے لیے اتحاد کر لیا۔ شیر دل سلطان بھی اپنی فوجیں میدان میں لے آیا اور ہندوستان کی آزادی کی آخری جنگ میسور میں لڑی گئی۔ سلطان شہید کو ہرگز شکست نہ ہوتی لیکن بدقسمتی سے اس کے کچھ قریبی ساتھی غدار نکلے اور درپردہ وہ انگریزوں سے جا ملے۔ ان غداروں نے سارے راز دشمنوں کو پہنچا دیے۔ اس کے نتیجے میں سلطان کے سارے جاں باز ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تھے۔

کچھ دوستوں نے مشورہ دیا کہ میدانِ جنگ چھوڑ کر خفیہ طریقے سے بھاگا جائے لیکن سلطان شہید نے گرج کر کہا۔ ”گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔“ اس کے یہ الفاظ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے ہوئے ہیں۔

اس نے ذلت کی زندگی چھوڑ کر عزت کی موت اختیار کی اور بہادری سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ مئی کی 4 تاریخ تھی اور سن عیسوی 1799ء تھا۔ سلطان شہید کی زندگی اور اس کے جذبے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اس کی شہادت کی اطلاع انگریزوں کو ہوئی تو اس نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

”آج ہندوستان ہمارا ہے۔“

سلطان شہید دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی شہادت کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد اس کا جذبہ پھر پروان چڑھا اور ہندوستان کے مسلمانوں نے ایک علیحدہ وطن پاکستان حاصل کیا۔ پیارے بچو! اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر شخص سلطان شہید کی طرح محنت، خلوص اور دیانت داری سے وطنِ عزیز کو پوری دُنیا میں ایک مثالی ملک بنائے۔ اس کو اتنا مضبوط بنایا جائے کہ اس کے بڑے بڑے دشمن بھی اس کی طرف بُری آنکھ سے دیکھنے کی ہمت نہ کریں۔

☆☆☆

روزہ رکھنے کی دُعا

وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

میں نے رمضان کے اس روزے کی نیت کی۔

روزہ کھولنے کی نیت

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْکَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ

اے میرے اللہ میں نے روزہ رکھا اور ایمان لایا تجھ پر اور بھروسہ کیا تجھ پر اور افطار کیا تیرے رزق پر

پہلا عشرہ رحمت کا

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

دوسرا عشرہ مغفرت کا

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَيْهِ

تیسرا عشرہ نجات کا

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ

پیک مین

پیک مین (Pac-Man) ایک مشہور کمپیوٹر گیم ہے جس کا آغاز 1980ء میں جاپان سے ہوا۔ جاپان کے مشہور و معروف کمپیوٹر گیم ڈائزیز ''Toru Iwatani'' نے 22 مئی 1980ء میں اس کھیل کو متعارف کروایا جو بچوں میں بے حد
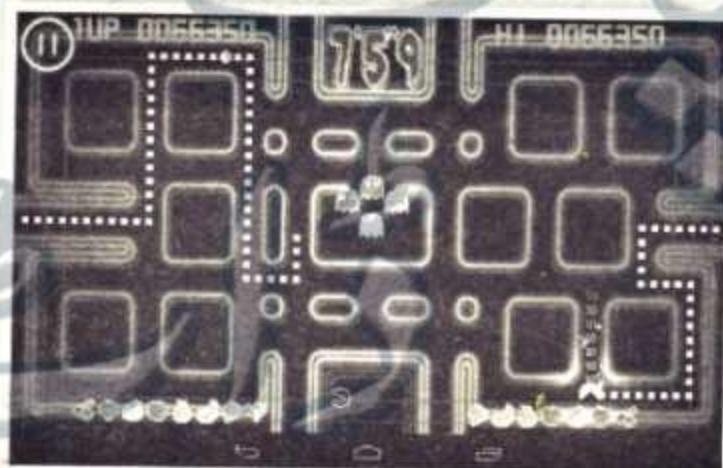
مقبول ہوئی۔ اس کھیل میں کھلاڑی ''Maze'' کی مدد سے پیک نکتوں (Dots) یعنی بسکٹ (Biscuits) کو کھاتا (Eating) ہے اور جب کھلاڑی یہ کام کر لیتا ہے تو اگلا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔''Maze'' درحقیقت ایک یا ایک سے زائد رستوں کا مجموعہ ہے۔ گویا یہ ایک پزل (Puzzle) کی طرح ہوتا ہے۔ دوبئی، جاپان، آسٹریا، ڈنمارک، اٹلی، ہالینڈ، برطانیہ، امریکہ، برازیل اور نیوزی لینڈ میں پبلک مقامات پر بھی Maze نصب ہیں جہاں بچے اور شائقین پیک مین گیم سے لطف اٹھاتے ہیں۔ یہ گیم موبائل فونز اور انٹرنیٹ پر بھی کھیلی جا سکتی ہے۔ یوں بچے بھول بھلیوں میں سے گزر کر محظوظ ہوتے ہیں۔ کھیل میں ''Monsters'' اور ''Ghosts'' کے کردار دشمنی پر مبنی ہیں۔ یہ کھیل مقبولیت کی وجہ سے گنیز ورلڈ ریکارڈ میں بھی جگہ بنا چکا ہے۔ اس کھیل کے بانی ''Toru'' 25 جنوری 1955ء کو پیدا ہوئے۔

امپیریل میوزیم آف چائنہ

چین میں سیاحت کی بڑی وجہ یہاں کے میوزیم یا عجائب گھر ہیں۔ امپیریل میوزیم آف چائنہ (Imperial Museum Of China) خاص طور سے مشہور ہے۔ منگ (Ming) خاندان کے عہد میں ایک محل جسے شہرِ ممنوع (Forbidden City) کا نام دیا گیا تھا، آج اسے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ یہ عجائب گھر چین کے شہر بیجنگ کے وسط میں قائم ہے اور 1922ء سے لوگوں کے لیے تفریح کا باعث ہے۔ جہاں ہر سال ڈیڑھ کروڑ سے زائد سیاح آتے ہیں۔ اس عجائب گھر کا ڈیزائن ''Kaui Xiang'' نے بنایا تھا۔ اسی انجینئر نے شہرِ ممنوع کا نقشہ بنایا تھا۔ اس کی تعمیر 1406ء میں شروع ہوئی تھی۔ لیکن 1925ء میں اس شہر کو عجائب گھر قرار دے دیا گیا۔ یہ عمارت

مستطیل شکل میں ہے۔ اس کی دیوار 961 میٹر ہے، نیچے سے یہ دیوار 8.62 میٹر چوڑی ہے۔ اس عجائب گھر میں 2004ء کے برس مزید تبدیلیاں بھی کر دی گئی ہیں۔ اب اس عمارت میں 8886 کمروں کو بڑے بڑے ہالز میں تبدیل کر دیا گیا۔ ہر سال 18 مئی کو عجائب گھر کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر میوزیم میں بھی بڑی تقریبات منعقد ہوتی ہیں۔

برق مچھلی

برق مچھلی (Electric Ray) کو عربی میں ''اسماک الرعاد'' اور فارسی میں ''پرتو ماہی برقی'' کہا جاتا ہے۔ یہ خاص قسم کی مچھلی ہے جس میں برقی اعضاء (Organs) پائے جاتے ہیں۔ ان اعضاء کی مدد سے یہ شکار کو کرنٹ مار کر بے ہوش یا

مفلوج کر دیتی ہیں۔ اس برقی چارج کی مقدار 8 وولٹ سے 220 وولٹ ہوتی ہے۔ مختلف انواع مختلف برقی چارج سے شکار کرتی ہیں۔ برقی مچھلی کی 60 یا زائد انواع ہیں ان کی کلاس ''Chondrichithyes'' ہے۔ ان میں سب سے مشہور مچھلی ''Torpedo Torpedo'' ہے۔ جس اصطلاح پر بحری فوج کے لیے ہتھیار تارپیڈو تیار کیا گیا ہے۔ جو کہ دھماکہ خیز ہوتا ہے اور ہدف کو تباہ کر دیتا ہے۔ برق مچھلیاں زیرِ آب سمندر کی تہہ میں رہتی ہیں۔ ان کو سائنسی نام ''Torpedo'' درحقیقت لاطینی زبان کے لفظ ''Torpidus'' سے دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے ''سُن کر دینا''۔ یہ مچھلیاں گلپھڑوں کے ذریعے سانس لیتی ہیں۔ یہ گلز (Gills) بھی کہلاتے ہیں۔ ان کی سب سے وزنی قسم کو ''Gulf Torpedo'' کہتے ہیں۔ جس کا وزن 13 کلو گرام (29 پاؤنڈ) تک ہوتا ہے۔

سوڈانی پرچم

علم السوڈان (Flag of Sudan) کو سوڈانی قوم نے 20 مئی 1970ء سے سرکاری حیثیت میں استعمال کرنا شروع کیا۔ یہ پرچم تین رنگا (Tricolor) ہے، جس میں سرخ سفید اور سیاہ دھاریاں اور سبز رنگ کی تکون بھی شامل ہے۔

1970ء سے قبل پرچم میں نیلی، پیلی اور سبز دھاریاں تھیں۔ سرخ رنگ کی پٹی سوڈانی قوم کی جدوجہد کی غمازی کرتی ہے۔ سفید پٹی امن، روشنی اور اُمید کا نشان ہے جب کہ کالی پٹی سوڈان کی مظہر ہے کیوں کہ عربی میں سوڈان کا مطلب ہے ''سیاہ۔'' جب کہ سبز تکون اسلام، زراعت اور خوش حالی کی علامت ہے۔ برطانوی تسلط کے دوران سوڈانی پرچم میں نیلی پٹی، دریائے نیل، پیلی پٹی صحارا، صحرا کو اور سبز پٹی زراعت کو ظاہر کرتی تھی۔ یہ ملک شمالی افریقہ کی مسلم ریاست ہے۔ یہ افریقہ کا تیسرا بڑا ملک ہے۔ طاغوتی قوتوں نے اس ملک کے دو ٹکڑے کر کے ایک غیر مسلم ریاست بھی بنا ڈالی ہے۔ موجودہ سوڈان میں 97% آبادی مسلمانوں کی ہے۔

☆☆☆

پپیتے کی چوری

ثمرہ احمد سعید

طاہرہ ہمیشہ دوسرے لوگوں کے گھروں میں لگے پودوں کو للچا کر دیکھا کرتی اور جہاں اسے ننھے منے پودے دکھائی دیتے اپنی ہم خیال بہن آمنہ جی کو ساتھ لیتی اور چوری کے لیے پہنچ جاتی۔

یہ بھی بہار سے پیشتر چند دن کی بات تھی۔ مسز حمید نے اپنے بیرونی باغیچے میں سات خوب صورت پپیتے کے پودوں کی پنیریاں اپنے مالی سے خود کھڑے ہو کر لگوائیں۔ دو تین ماہ گزرنے کے بعد یہ اپنی جڑوں پر قطار در قطار کھڑے ہو گئے۔ تیز ہوا بھی ان کا کچھ بگاڑ نہ پاتی نہ ہی آندھی انہیں اوندھے منہ گرا پاتی، یہ لہلہاتے ہرے ہرے انتہائی خوب صورت پپیتے سات پیڑ بننے کے لیے تیار تھے۔

ایک دن چھ نمبر والا پپیتے کا پودا بولا: ”دوستو! نظر نہ لگے ہم کتنے اچھے لگتے ہیں یوں ساتھ ساتھ کھڑے۔“ ساتوں کے ساتوں پودے مسکرائے اور تائید کرتے ہوئے بولے: ”ہاں! تم نے ٹھیک کہا، خدا ہمیں سلامت رکھے، ہم خوب خوب پھل دیں، ہر کھانے والا خدا کا شکر ادا کرے اور ہم خوب ذکرِ الٰہی کریں۔ یہ کہنے کے بعد سب نے ایک دوجے کو اللہ حافظ کہنے کے بعد شام کا لبادہ اوڑھا اور چپکے چپکے کاربن ڈائی آکسائیڈ بنانے کی تیاری کرنے لگے جس کام کے لیے قدرت نے انہیں چنا تھا اب چوں کہ دن جا رہا تھا لہٰذا آکسیجن بنانے کا عمل بھی رخصت ہوا چاہتا تھا۔

ادھر اپنے گھر میں مسز حمید بہت خوش و خرم تھیں کہ انہوں نے مالی سے جو پودے لگوائے تھے اب بڑے ہو رہے ہیں۔ انہوں نے پپیتے کے یہ ننھے نازک پودے اپنے گھر میں آئے ہوئے ایک پپیتے کے بیج اُگا کر ان کی افزائش کی تھی۔ لگن اور محبت سے انہیں سینچا تھا۔ پانی بھی وقت پر دلوایا تھا مالی بابا سے اور دھوپ ہوا سب کا مناسب خیال بھی لیکن پودے اور مسز حمید آنے والے دنوں سے بے خبر تھے۔

بہت دنوں سے طاہرہ اور آمنہ جی پپیتے کے پودوں کے بارے میں غور و فکر میں محو و مصروف تھیں کہ نر کتنے ہیں اور مادہ کتنے۔ دونوں اندازے لگانے میں اور چرانے کی سکیم بنانے میں ہی مگن تھیں اور ان کی بڑی بہن آپی جی سب باتیں سن رہی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ پودے چوری مت کرنا وہ وہاں بہت خوش ہیں اور مسز حمید بھی ناراض ہوں گی چاہے وہ ان کی بے حد نیک اور خوش اخلاق ہمسائی تھیں۔ ”سنو بہنو! پہلے بھی مسز حمید نے آپ کو دو پودے بھجوائے تھے۔ اب یہ حرکت نہ کرنا۔“

”مگر آپی جی! انہیں تو آمنہ کی بکریاں کھا گئی تھیں ہمیں تو بس نئے پپیتے لانے ہیں۔ آپ چپ سادھ لیں جی۔ بیچ میں نہ بولیں۔“ مگر آپی جی نے دھمکی دی کہ میں پھر مسز حمید کو بتا دوں گی کہ آپ چور ہو دونوں۔ دو چور بالکل تیار تھے کہ اب آپی جی کو بھی

خبر نہ ہونے دینا، آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ ہو گیا۔

دوسری صبح دونوں بیرونی باغیچے کی طرف روانہ ہوئیں اور لہلہاتے سرسبز و شاداب حمد و ثنا کرتے پپیتوں پر حملہ آور ہوئیں۔ سب پپیتے انگشت بدنداں رہ گئے اور جن کو جڑ سے کھینچا گیا وہ بہت روئے، چلائے، پیٹے، گڑگڑائے، سسکے مگر ان کو رحم نہ آیا۔ انہیں اٹھائے، چرائے جھٹ پٹ گھر واپس دوڑیں۔ پیچھے مڑ کر نہ بقیہ پانچوں کی سسکیاں سنیں نہ دلاسہ دیا، نہ آہ و بکا پر کوئی دھیان دیا۔ مسز حمید کے کیمرے کو بھی بھول گئیں جو بیرونی باغیچے کے اوپر دیوار پر آہنی گیٹ کی سلاخوں پر نصب کیا گیا تھا۔ بھاگم بھاگ اپنے گھر میں آکر دم لیا اور چوری اوپر سے سینہ زوری یعنی جرم پر ندامت کے بغیر دونوں خوب خوش ہوئیں اور پودوں کو بڑی گہری کھدائی کر کے اپنے لان میں لگا کر بیٹھ گئیں اور دُعا مانگنے لگیں کہ یہ جڑ پکڑ لیں اور چل جائیں لیکن پودے نئی جگہ، نئے ماحول، نئے لوگوں سے مانوس ہونے والے نہ تھے وہ تو طاہرہ اور آمنہ جی دونوں سے ناخوش، ناراض تھے اور اداس تھے کہ اچھی بھلی سیانیاں ہو کر بھی دونوں نے کیسی بُری حرکت کی کہ ہمیں چرا لائیں، اکھیڑ لائیں اپنے دوستو سے الگ کر کے بکھیر لائیں۔

اُف ہماری دوستی ہمارے مزے کہاں کھو گئے اور روتے روتے دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی قطاریں بہنے لگیں۔ خونِ جگر جڑوں میں جا پہنچا۔ پانی پودے کو زیادہ ملے تو وہ بھی نہ اچھا۔ ایسا ہی ادھر ان کے ساتھ بھی ہوا۔ جڑیں نرم رہنے لگیں۔ ہوا اور دھوپ دونوں نے اثر کرنا بند کر دیا۔ آہستہ آہستہ پپیتے کے دونوں پودوں کا دم گھٹنا شروع ہو گیا۔ دم گھٹا تو ہریالی یعنی فوٹوسنتھی سیز کا عمل بھی رک گیا۔ کملائے، مرجھائے منہ لٹکائے وہ زندگی کا احساس کھو گئے۔ ان کے مردہ جسم عبرت بن گئے۔ طاہرہ اور آمنہ جی کے چہروں کے لیے روتے روتے ان کے بقیہ دوست بھی ہار گئے۔ انہیں ہواؤں نے جا کر بتا دیا تھا کہ ان کے دونوں ساتھی اب اس جہانِ فانی سے کوچ کر چکے ہیں اور زندگی کا خوب صورت احساس دونوں چور لڑکیوں کی وجہ سے گم کر چکے ہیں۔ اب تو ان کے لیے یہی بہتر ہے کہ دونوں اللہ کے حضور ان گناہوں کی معافی مانگیں جو ہمیں اکھیڑنے، چرانے اور جگہ بدلانے پر موت آنے تک کیا ہے یعنی گناہ پر گناہ۔ گناہ! جی ہاں مسز حمید کو بتائے بغیر، ہماری اجازت کے بغیر اور اپنے گھر والوں کو بھی بتائے بغیر۔ سب کچھ کرنے کا انجام کیا ہوا کہ ہم جڑ بھی نہ پکڑ پائے۔ چوری بھی کی گئی اور ہم اُگ بھی نہ پائے، یہی تو سزا ملی دونوں بہنوں کو کہ ہم لہلہا نہ سکے، سر اٹھا کر جی نہ سکے، ہمیں اس دُنیا سے جانا پڑا۔ کاش یہ ہمیں ہمارے دوستوں کے ساتھ ہی جینے دیتی تو کیا مضائقہ تھا؟ اے کاش لوگ ہمیں چرایا نہ کریں سوچا کریں۔ چوری بُری عادت اور چرانا بُری بات ہے یہی نہیں بلکہ جب مسز حمید کو خبر ہوئی ایک تو وہ ناراض ہوئیں دوسرے اپنے پودوں کی وجہ سے دکھی ہوئیں اور پھر کہنے لگیں کہ چوری کے پودے بھی کبھی اُگتے ہیں۔ آپ لوگ مجھ سے پوچھ تو لیتے۔ پھر بڑی آپی جی کے ساتھ جا کر سب نے معافی مانگی اور اس طرح پودوں کے بقیہ پانچ دوستوں نے بھی پپیتے چور لڑکیوں کو معاف کر ہی دیا۔ دونوں نے توبہ کی کہ ہم آئندہ بن بتائے پودے نہیں اکھیڑیں گی تا کہ پودے اور انسان ہم سے ناراض نہ ہوں۔ شکریہ مسز حمید آپ کا بھی اور اے بقیہ پانچ پپیتو! آپ کا بھی کہ آپ نے ہمیں سچ مچ معاف کر دیا۔

☆☆☆

(بقیہ: میں)

بابا جی نے آپ کو اسی بات کی طرف اشارہ دیا ہے۔ غرور کرنا چھوڑ دیں۔ تب ہی برکت اس گھر کا دروازہ دیکھے گی......''

رفیق: ''میں سمجھ گیا۔ پاک اللہ عظیم ہے۔ اب میں اللہ کے ساتھ ہی لو لگاؤں گا۔ اس سے مدد مانگوں گا۔ سچے دل سے توبہ کرتا ہوں...... مجھے میری ''میں'' نے مارا ہے...... اے میرے پاک اللہ...... مجھے معاف کر دے...... مجھے معاف کر دے......''

(رفیق رونے لگتا ہے۔ ایسے میں ان کے کانوں سے ایک آواز ٹکراتی ہے۔ میں...... میں...... مم...... مم...... میں......)

کلثوم: ''اس وقت...... بکری کی آواز...... اللہ خیر کرے میں دیکھ کر آتی ہوں......'' (کلثوم باڑے میں جاتی ہے)

رفیق: ''کیا بات ہے کلثوم...... سب خیر ہے ناں......''

کلثوم: ''خیر ہو گئی ہے...... خیر ہو گئی ہے...... ہماری پالتو بکری کے ہاں تین بچے پیدا ہوئے ہیں۔ برکت نے ہمارے گھر کا دروازہ دیکھ لیا ہے۔''

''رفیق: اے پاک اللہ تیرا شکر ہے......''

کلثوم: ''ایک بات کہوں......''

رفیق: ''ہاں...... بولو......''

کلثوم: ''پہلے آپ سونے کو ہاتھ لگاتے تھے تو وہ مٹی ہو جاتا تھا۔ اب آپ مٹی کو ہاتھ لگائیں گے تو وہ سونا ہو جائے گی......''

(رفیق سسکتے ہوئے سجدہ شکر کے لیے جھک جاتا ہے)

☆☆☆

دُنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یا رب!
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
(فرحین، اسلام آباد)

اخلاص کی جاگیر کو ہم اہلِ محبت
تقسیم تو کر دیتے ہیں بیچا نہیں کرتے
(علی حسین سبحانی، لاہور)

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے
(اعجاز احمد، علی پور)

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
(باسط فرید گھلو، جھنگ)

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
(عیشہ فاطمہ، فیصل آباد)

یادیں کیوں نہیں بچھڑتیں اے دوست!
دوست تو پل میں بچھڑ جاتے ہیں

☆

نکلنا خُلد سے آدم کا سنتے ہیں لیکن
بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

☆

فراز اس کی ہنسی کے پیچھے غم کو محسوس تو کر
وہ یونہی ہنس ہنس کر خود کو سزا دیتا ہے
(تماضر ساجد، صادق آباد)

مرا طریق ! امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ ، غریبی میں نام پیدا کر

☆

زندگی انساں کی ہے مانندِ مرغِ خوش نوا
شاخ پر بیٹھا ، کوئی دم چہچہایا ، اُڑ گیا
(ایاز احمد، لاہور)

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
(محمد احمد خان غوری، بہاول پور)

یہی ہے عبادت ، یہی ہے دین و ایمان
کہ کام آئے دُنیا میں انساں کے انساں
(معظم، عمر، چونیاں)

ساری عمر تو کٹی عشقِ بُتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے
(اسامہ شائق)

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی
(حافظ مقصود بلو، لاہور)

شاید کبھی خلوص کو منزل نہ مل سکے
وابستہ ہے مفاد ہر ایک دوستی کے ساتھ
(اسامہ سجاد، لاہور)

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
(محمد احمد، لاہور)

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ میں کیا چاہتا ہوں
(طلحہ قطب، لاہور)

کتاب زندگی کا بس اتنا سا گوشوارہ ہے
تمہیں نکال کے باقی سب خسارہ ہے
(محمد شاس حسین، بہاول پور)

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
(محمد عبداللہ ثاقب، پشاور)

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گُل و گلزار ہوتا ہے
(احور کامران، لاہور)

پیارے بچو! کھوج لگائیے آپ کا پسندیدہ مشغلہ ہے، جس میں آپ کو مختلف سوالات دیے جاتے ہیں، جس سے آپ کی ذہنی ورزش ہوتی ہے۔ سوچنے اور پھر نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کیوں نہ آپ کی Common Sense کا امتحان لیا جائے تو پھر سنیے! کہ ایک گاؤں میں ایک کسان کے پاس دو روسٹر Roosters تھے۔ دونوں بہت خوب اور رنگ برنگ تھے۔ ایک روسٹر Rooster نے 13 انڈے دیے۔ اب کسان ان میں سے 8 انڈے اٹھالیتا ہے۔ دوسرے روسٹر Rooster نے 12 انڈے دیے اور اس میں سے 4 خراب نکلے، بتائیے اب کتنے انڈے رہ گئے......؟؟

پیارے بچو! اپریل 2017ء کے کھوج لگائیے کا جواب ہے: تیسرے بیٹے نے ماچس اور موم بتی خریدی جس سے سارا کمرہ روشن ہوگیا۔ اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے پانچ ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیئے جارہے ہیں۔

1- حمزہ فراز خان، مردان
2- محمد جمیل باسم، رحیم یار خان
3- محمد حبان قادری وصفی، کاموکی
4- سعدیہ، لاہور
5- عبداللہ محمد احمد، جھنگ

پچھلے پندرہ منٹ سے نوجوان لومڑی بڑے سے آئینے کے سامنے بیٹھی میک اپ کرنے میں مصروف تھی۔ اس نے آنکھوں میں کاجل لگانے کے بعد آئینے میں اپنی آنکھیں دیکھیں جو پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت ہوگئی تھیں۔ ابھی وہ اپنی آنکھوں کا جائزہ لے رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

کون ہے؟ اس نے بیٹھے بیٹھے بانگ لگائی۔

''جی! میں ہوں۔ ڈرپوک جیکال۔'' باہر سے گیدڑ کی مانوس آواز سنائی دی تو لومڑی نے کہا کہ گیدڑ میاں اندر آجاؤ۔ وہ جانتی تھی کہ یہ جنگل کے بادشاہ شیر کا خاص ملازم ہے جو ہر وقت بادشاہ کے ساتھ رہتا ہے۔

''جی...... وہ...... میں جلدی میں ہوں۔ آپ کے لیے بادشاہ سلامت کا پیغام لایا ہوں۔'' گیدڑ نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

''خیریت تو ہے۔ اتنی صبح صبح ہی بادشاہ سلامت کو مجھ سے کیا کام پڑ گیا۔'' لومڑی نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

دراصل بادشاہ سلامت کی طبیعت کل رات سے بہت خراب ہے اس لیے وہ شکار پر بھی نہیں جا سکے۔ اب انہوں نے مجھے آپ کو بلانے کے لیے بھیجا ہے۔ گیدڑ نے بتایا تو لومڑی نے کہا کہ ٹھیک ہے میں سمجھ گئی ہوں۔ تم چلو...... میں ابھی آتی ہوں۔

گیدڑ اچھا! کہتے ہوئے واپس مڑا تو وہ ایک بار پھر میک اپ کرنے میں مصروف ہوگئی۔

بیٹا! اب میک اپ کا پیچھا چھوڑو اور جلدی سے شاہی محل پہنچ جاؤ ورنہ بادشاہ سلامت ناراض ہو جائیں گے اور ہاں سر پر دوپٹہ ضرور لیتی جانا، آج کل جنگل میں آوارہ کتے بہت گھوم رہے ہیں۔ لومڑی کی دادی نے اسے آئینے کے سامنے جمے دیکھ کر کہا۔

''اچھا دادی! لومڑی آئینے کے سامنے سے اٹھی۔ آکاش بیل سے بنا ہوا اپنا خوب صورت پرس اٹھایا اور باہر کی طرف بڑھنے لگی۔

''اچھا ذرا میری بات سنو!'' دادی نے اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ ''جی دادی!'' اس نے قریب آتے ہوئے کہا۔

''آج ہرنی کا دماغ کھانے کو بڑا جی چاہ رہا ہے۔ بڑا مزے کا

ہوتا ہے۔ مگر اب تو عرصہ ہو گیا کبھی چکھ کر بھی نہیں دیکھا۔ چپکے سے پرس میں ڈال کر لیتی آنا۔'' لومڑی کی دادی نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ دراصل دادی نے جب سے گیدڑ کی بات سنی تھی اس کے منہ میں سوچ سوچ کر ہی پانی آ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے دادی! کوشش کروں گی۔'' لومڑی نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ گیدڑ کی آمد کا مطلب اچھی طرح سمجھتی تھی۔ بیماری کے دوران بادشاہ سلامت کے لیے شکار کا بندوبست کرنا اس کی ذمہ داری تھی۔ راستے میں وہ سوچتی جا رہی تھی کہ کس طرح وہ بادشاہ کو شکار فراہم کر سکتی ہے۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تو وہ مسکرا دی۔ اب وہ بڑے مطمئن انداز میں ہرنوں کے علاقے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ابھی وہ دُور ہی تھی کہ اسے دیکھتے ہی ہرن اِدھر اُدھر بھاگنا شروع ہو گئے۔ آج اسے اپنا منصوبہ ناکام ہوتے نظر آ رہا تھا۔ مگر اچانک اس کی نظر کچھ فاصلے پر بھاگتی ہوئی ایک نوجوان ہرنی پر پڑی۔ جو پہلے سے ہی اس کی واقف تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس نے اونچی آواز میں اسے رکنے کے لیے کہا تو نوجوان ہرنی بھاگتے ہوئے اس کی آواز سن کر رک گئی۔

''ہاں! کیا بات ہے؟'' ہرنی نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں یاد ہے ایک بار ندی کنارے تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم سیکرٹری بننا چاہتی ہو۔'' لومڑی نے ہرنی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! یاد ہے۔ کیوں کیا ہوا؟'' ہرنی نے حیرانی سے پوچھا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ میں دو ماہ کے لیے دوسرے جنگل میں بطور وزیر خارجہ جا رہی ہوں اور بادشاہ سلامت کو میری جگہ نئی سیکرٹری کی ضرورت ہے۔ میرے ذہن میں تمہاری بات تھی۔ اس لیے میں تمہیں بتانے آ رہی تھی۔ اگر تم سیکرٹری بننا چاہو تو میرے ساتھ چلو ورنہ میں تمہاری جگہ کسی اور کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔'' لومڑی نے بڑے ماہرانہ انداز میں ہرنی کو اپنے جال میں پھنساتے ہوئے کہا۔

''میری تو دلی خواہش ہے کہ میں سیکرٹری بن کر پورے جنگل میں تمہاری طرح گھوموں پھروں اور مزے کروں۔ لیکن رکو! میں امی سے پوچھ کر ابھی آتی ہوں۔'' ہرنی نے کہا۔

دراصل اسے اپنی ماں کی نصیحت یاد آ گئی تھی جب ایک بار اس نے اپنی ماں سے شاہی محل میں جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا تو اس کی ماں نے اسے کہا تھا کہ شاہی محل کو جانے والوں کے نشانات تو ملتے ہیں مگر ان کی واپسی کے نشانات نظر نہیں آتے اس لیے کبھی بھول کر بھی اُدھر کا رخ مت کرنا۔

''کن سوچوں میں گم ہو گئی ہو۔ امی سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر تم انٹرویو میں پاس ہو گئی تو اپنی امی کو سرپرائز دینا وہ بہت خوش ہوں گی۔''

گھومنے پھرنے کی شوقین ہرنی ایک بار پھر لومڑی کی باتوں میں آ گئی اور اس کے ساتھ شاہی محل کی طرف چل پڑی۔

شاہی محل کے گیٹ پر گیدڑ بیٹھا تھا۔ لومڑی کے ساتھ نوجوان ہرنی کو آتے دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی رونق آ گئی۔ شکار میں سے کچھ نہ کچھ حصہ تو اسے بھی مل ہی جاتا تھا۔ قریب آنے پر اس نے دونوں کو سلام کیا اور لومڑی سے کہا کہ بادشاہ سلامت بڑی شدت سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

''بادشاہ سلامت! یہ آپ کی نئی سیکرٹری ہے جو میرے دوسرے جنگل میں جانے کے بعد آپ کے احکامات سب جانوروں تک پہنچائے گی۔'' لومڑی نے شیر کے سامنے پہنچتے ہی بات شروع کر دی تاکہ ہرنی کو کوئی شک نہ پڑ جائے۔

''ٹھیک ہے۔ کچھ ضروری باتیں میں اس کے کان میں بتانا چاہتا ہوں تاکہ کوئی دوسرا نہ سن لے۔'' شیر نے بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔

نوجوان ہرنی جھجکتے ہوئے شیر کے قریب جانے لگی۔ اسے ڈر بھی لگ رہا تھا مگر سیکرٹری بننا بھی اس کا خواب تھا۔ اس لیے وہ ہمت کر کے شیر کے قریب پہنچ گئی۔

جونہی وہ شیر کے قریب پہنچی۔ شیر نے ایک زور دار پنجہ مار کر اسے نیچے گرایا اور پھر اس کا گلا دبا کر اس کا کام تمام کر دیا۔

چند لمحے تک اپنا سانس بحال کرنے کے بعد بادشاہ سلامت نے ہرنی کو کھانا شروع کیا۔

لومڑی ایک طرف بیٹھی سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ

لومڑی گوشت کے اس حصے کی طرف بڑھنے لگی جدھر ہرنی کا دماغ تھا۔

شیر نے ایک نظر لومڑی کی طرف دیکھا اور پھر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ لومڑی نے چپکے سے ہرنی کے دماغ پر ہاتھ ڈالا اور اپنی طرف کھسکا لیا۔ شیر نے ایک بار پھر لومڑی کی طرف دیکھا اور گوشت کے ایک اور ٹکڑے کو پنجے میں دبوچ لیا۔ لومڑی نے آہستہ سے دماغ اٹھایا اور پرس میں ڈالنے کے لیے اسے پرس کے بالکل قریب لے گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ ہرنی کا دماغ اپنے پرس میں ڈالتی۔ شیر نے ایک زوردار پنجہ مارا اور لومڑی کی ٹانگ توڑ کر رکھ دی اور غراتے ہوئے بولا۔ ''جیسی دادی ویسی پوتی۔ تمہاری دادی نے بھی میرے دادا کے ساتھ یہی چالاکی کھیلی تھی اور ہرنی کا دماغ ہڑپ کر گئی تھی۔ اب تم بھی وہی چالاکی دہرا رہی ہو۔ اگر تم میری سیکرٹری نہ ہوتی تو تمہارا حال بھی ہرنی کی طرح ہوتا۔ اب تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ فوراً شاہی محل سے نکل جاؤ۔''

لومڑی کا درد کی شدت سے بُرا حال تھا مگر وہ جان بچانے کے لیے فوراً شاہی محل سے باہر آ گئی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے معافی کی بات کی تو ہو سکتا ہے کہ شیر اسے جان سے مار دے۔ وہ لنگڑاتی ہوئی آہستہ آہستہ گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

جونہی اس نے گھر میں قدم رکھا۔ اس کی دادی اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی۔ ''ارے کیا ہوا؟ تمہاری ٹانگ کو کیا ہوا؟'' دادی نے بے چینی سے اس سے پوچھا۔

''دادی یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ نہ تم ہرنی کے دماغ کی فرمائش کرتیں اور نہ میرا یہ حال ہوتا'' لومڑی نے کہا اور ساتھ ہی پوری داستان دادی کو سنا دی۔

''بیٹا! مجھے معاف کر دو۔ میں نے ہی تمہیں بدعنوانی کے راستے پر لگایا۔ شکر ہے تمہاری جان بچ گئی ہے۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کبھی بھی خود کو معاف نہیں کر سکتی تھی۔'' دادی نے نوجوان لومڑی کو پیار کرتے ہوئے کہا اور پھر نوجوان لومڑی اور اس کی دادی نے آئندہ کے لیے بدعنوانی اور بے ایمانی کرنے سے توبہ کر لی۔

☆☆☆

''کھوج لگائیے'' میں حصہ لینے والوں کے نام

قاسم الیاس، محمد احزام ہاشمی، ملتان۔ ظل عباس، چکوال۔ عاتکہ یاسر، نبیل صدیقی، مہر اکرم، مدثر منظور، محمد سعد، وشمہ خان، محمد رمیز بٹ، حافظ محمد طاہر حسین، عمیر احمد، خوش بخت سہیل، رحماء عروج، رانا احسان الٰہی ظفر، ارجمند منال، محمد عثمان، امامہ عبدالباقی، جویریہ نوید، محمد فیضان طاہر، عائشہ تبسم، لعلین ادریس، لاہور۔ زوہیب مظہر، مطیع اللہ بلوچ، جڑانوالہ۔ عبدالرحمٰن طاہر، عدینہ نور، سیال کوٹ۔ حلیم اسحاق، جہلم۔ شکیبہ جمیل احمد، حافظ آباد۔ عیشہ فاطمہ، حذیفہ اظہر، عمار، عبداللہ نذیر، کشف جاوید، فیصل آباد۔ زینب فیصل، محمد شماس حسین، بہاول پور۔ خدیجہ نشان، محمد قاسم علی قادری، محمد شاہ زیب طارق قادری، محمد عبدالحمید قادری، محمد اکرم قادری وصفی، حسن رضا سردار وصفی، کاموکی۔ فضہ گل، بتول فراز، نوشہرہ۔ محمد الیاس بھٹی، محمد بلال خالد، ڈیرہ غازی خان۔ میمونہ نوید، محمد داؤد، شمع ندیم، راول پنڈی۔ عزیر رائے، ماریہ سلطان، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔ شاہ زیب اثر، شوکت پراچہ، پشاور۔ طارق خان، سید تیمور علی خالد، جھنگ صدر۔ محمد بلال صدیقی، محمد عبداللہ ہارون، سید محمد حسین شاہ، کراچی۔ سید عبدالباسط شاہ، چنیوٹ۔ فاطمہ اعجاز، عائشہ اریج، حمنہ شاہد، ماہرہ مصطفیٰ، حسن جاوید گوریجہ، طٰہٰ عمران، ماریہ شمس، مومنہ رحیم، اسلام آباد۔ ارم شہزادی، منڈی بہاؤ الدین۔ محمد عمران، بشریٰ صفدر، تلہ گنگ۔ احمد علی، عائشہ صدیقہ، اشنہ ندیم، سمیع اللہ قدر، آمنہ ندیم، گوجرانوالہ۔ عائشہ ایمان، رحیم یار خان۔ محمد سلمان عبداللہ، چشتیاں۔ ثمامہ شبیر، گجرات۔ رزاق علی، اٹک۔ اسامہ بن خرم، گوجر خان۔ عبداللہ مسعود، ایبٹ آباد۔ عدن سجاد، احسن جاوید، محمد شکیل بھٹی، جھنگ۔ سدرہ اختر، میاں والی۔ مقدس خان، حیدر آباد۔ ناصر زمان، کرک۔ محمد آصف، موچھ۔ آمنہ شوکت، خانیوال۔ مائرہ حنیف، بہاول پور۔ حماد الرحمٰن، ثمین مقصود، حسنین قاسم، عیشہ شاہد، ہانیہ آصف، خدیجہ انوار، احمد محمود، انوشہ فاطمہ، لاہور۔ محمد افضل جہلم۔ فاطمۃ الزہراء، فیصل آباد۔ محمد ابراہیم علی، ڈیرہ اسماعیل خان۔ بریرہ نعیم، سرگودھا۔ علی حمزہ بھٹہ، ایمان فاطمہ، محمد سلیمان اعجاز، راول پنڈی۔ ماریہ بتول، اٹک۔ محمد عثمان، چونیاں۔ عثمان حسین، عرفان حسین، ثمین نور، قصور۔ محمد احسان طارق، وہاڑی۔ خنساء حسینی، بشریٰ حسینی، کلورکوٹ۔ شگفتہ ناز، شیراز عالم، ساہی وال۔ مقدس چوہدری، نصیر آباد۔

اُبلتے پانی کے فوارے چھوڑنے والا بھونرا

جانوروں اور کیڑوں کی دُنیا میں بھنوروں (beetles) کا خاندان سب سے بڑا ہے۔ اس زمین پر بسنے والے ایک چوتھائی جانور بھنوروں کی کسی نہ کسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے مختلف رنگ، مختلف شکلیں اور سائز ہوتے ہیں، اسی طرح خود کو شکاری جانوروں سے بچانے اور اپنا شکار پکڑنے کے لیے قدرت نے انہیں عجیب عجیب طرح کے "ہتھیار" دے رکھے ہیں۔

ایک بھنورا جسے Bombardier Beetle کہا جاتا ہے، چھیڑنے پر غصے سے اُبلنے لگتا ہے۔ حالاں کہ یہ ایک حقیر سا کیڑا ہے لیکن اپنے دشمن کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر اس کو اپنی زندگی خطرے میں محسوس ہو تو یہ ایک دھماکے کے ساتھ اپنے جسم سے اُبلتے ہوئے پانی کی تیز دھاریں پھینکتا ہے جس سے اس کا شکاری جل بھن جاتا ہے۔ یہ دھاریں بہت تیزی سے اور لگا تار نکلتی ہیں۔ یہ بھنورا ایک سیکنڈ میں 500 سے 1000 دھاریں چھوڑ سکتا ہے۔

Bombardier beetle کے پیٹ میں دو الگ الگ خانے یا "تھیلیاں" ہوتی ہیں جن میں کچھ کیمیائی مرکبات ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک موٹی دیواروں والا مرکزی خانہ ہوتا ہے۔ یہاں ضرورت کے وقت دونوں مرکبات آتے ہیں اور آپس میں مل کر ایسا کیمیائی عمل کرتے ہیں جس سے انتہائی گرم مائع بنتا ہے۔ یہ مائع Bombarider beetle کے پیٹ کے پچھلے حصے میں موجود دو سوراخوں سے سخت دباؤ کے ساتھ نکل کر حملہ آور دشمن پر گرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھنورا اپنے جسم کو اس انداز میں گھماتا رہتا ہے کہ دشمن کو کسی طرف سے حملے کا موقع نہ ملے اور اس پر ہر جانب سے گرم پانی کی بارش ہوتی رہے۔ اس گرم مائع کے مستقل چھڑکاؤ سے اکثر چھوٹے کیڑے مر جاتے ہیں اور بڑے جانور گھبرا کر بھاگ جاتے ہیں۔

بھنوروں (beetles) میں سے کچھ اقسام صرف زمین پر رینگتی ہیں اور کچھ اُڑ بھی سکتی ہیں۔ اُڑنے والے بھنوروں میں بھی ایک مسئلہ یہ ہے کہ ان کے پروں پر حفاظت کے لیے ایک باریک غلاف چڑھا ہوتا ہے۔ بھنورے کو یہ غلاف اتارنے اور اُڑنے کے لیے اپنے پر آزاد کرنے میں ذرا دیر لگتی ہے، اس لیے بھنورے کو اپنے دفاع کا کوئی موثر انتظام کرنا پڑتا ہے۔

Bombardier Beetle کا گرم پانی کی دھاروں والا نظام اسی سلسلے میں استعمال ہونے والا ایک ہتھیار ہے۔ دوسرے بھنورے بھی مخصوص حالت میں اپنا دفاع مختلف ڈھنگ سے کرتے ہیں۔ مثلاً اسی نسل کا ایک اور بھنورا کیمیائی پانی کی دھاریں پھینکنے کی بجائے ایک کیمیائی مرکب کا جھاگ اپنے جسم پر پھیلا لیتا ہے۔ اس طرح یہ حملہ آور کی خوراک کے قابل نہیں رہتا۔ Bombardier Beetle دُنیا کے بیشتر ممالک میں پایا جاتا ہے۔ یہ اپنی قسم کے دوسرے بھنوروں کے ساتھ گروہ کی صورت میں رہتا ہے۔ عام طور پر یہ رات کے وقت نم اور سیل زدہ علاقوں میں ملتا ہے۔

☆☆☆

کردار: رفیق...... نثار (رفیق کا دوست)...... کلثوم (رفیق کی بیوی)...... لوہار (ایک درویش بزرگ)...... بکری اور اس کے تین بچے۔

پس منظر: رفیق انتہائی پریشانی کے عالم میں بیٹھا ہوا ہے۔ ساتھ والے گاؤں سے اس کا ایک دوست نثار اسے ملنے آتا ہے۔

منظر:

نثار: ''السلام وعلیکم......''

رفیق: ''وعلیکم السلام......''

نثار: ''کیا بات ہے رفیق...... پریشان لگتے ہو......''

رفیق: ''کچھ مت پوچھو یار...... میری مشکل ہے میں خود ہی حل کرلوں گا۔''

نثار: ''کردی ناں بیگانوں والی بات...... کیوں نہ پوچھوں...... تم میرے دوست ہو...... اور دوستوں کے دکھ اور سکھ مشترک ہوتے ہیں......''

رفیق: ''چند دکھ ایسے ہوتے ہیں جو بتانے والے نہیں ہوتے......''

نثار: ''دل کی بات بتانے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور آپس میں مشورہ کرنے سے مشکل میں سے نکلنے کا کوئی بہتر راستہ بھی مل جاتا ہے۔ بزرگ کہتے ہیں کہ دیوار سے بھی مشورہ کر لینا چاہیے۔ میں تو پھر تمہارا دوست ہوں۔''

رفیق: ''بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ ایک غم ہے جو مجھے پریشان کر رہا ہے۔ یہ غم اندر ہی اندر مجھے گھن کی طرح چاٹ رہا ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ کروں تو کیا کروں......''

نثار: ''کچھ بتاؤ گے بھی یا کہ میرے ساتھ پہیلی بوجھ پہیلی والا کھیل کھیلنا چاہتے ہو......''

رفیق: ''جلدی مت کرو۔ بتاتا ہوں، لمبی کہانی ہے......''

نثار: ''چل بتا پھر......''

رفیق: ''تم تو جانتے ہو کہ میرے والد صاحب اس گاؤں کے نمبردار تھے۔ میں ابا جی کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ عزت، دولت اور زمین مجھے وراثت میں ملی تھی۔ ابو جی کی وفات کے بعد میں (میں پر زور دیتے ہوئے) نے سوچا کہ اب مجھے ابا جی کے کام کو آگے بڑھانا چاہیے۔ مجھے خود تو کوئی کام نہیں کرنا تھا۔ بس اُجرت پر مزدوروں سے کام کروانا تھا۔ اب میں نے میدان عمل میں قدم رکھا۔ اپنا زرعی رقبہ کھیتی باڑی کے لیے تیار کروایا۔ ہل سے سہاگے تک پوری دیکھ بھال کروائی۔ تھوڑا وقت گزرا تو مٹی نے سبزے کی چادر اوڑھ لی تھی۔ مجھے پکا یقین تھا کہ اچھی فصل تیار ہو گی اور اچھے منافع کا

باعث بنے گی مگر......''

نثار: ''مگر کیا......''

رفیق: ''ایک دن موسم خراب ہوا۔ گھنگھور گھٹائیں چھا رہی تھیں کہ دن میں رات ہو گئی۔ بارش کے ساتھ ساتھ اولے بھی برسے۔ ساری فصل برباد ہو کر رہ گئی......''

نثار: ''پھر تم نے کیا کیا......''

رفیق: ''کرنا کیا تھا۔ اس نقصان کے بعد ایک بات اچھی طرح میری سمجھ میں آ گئی کہ کھیتی باڑی میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ اب میں نے ایک منافع بخش کام میں ہاتھ ڈالا......''

نثار: ''وہ کام کون سا تھا......''

رفیق: ''وہ کام تھا پولٹری فارمنگ۔ زیادہ سے زیادہ دو مہینے کا کھیل۔ چوزہ ڈالو، مال خرچ کرو اور دو ماہ میں دوگنا منافع وصول کرو۔ اب میں نے اپنے زرعی رقبے میں پولٹری فارمنگ کے لیے شیڈز بنوائے۔ تمام احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور بیس ہزار کی تعداد میں چوزوں سے کام شروع ہوا۔ دس ملازم تھے جو صبح و شام چوزوں کی خدمت پر مامور تھے۔ ان چوزوں کی پرورش اچھے طریقے سے ہو رہی تھی۔ پھر دو ماہ گزر گئے۔ فی مرغی اوسطاً دو کلو سے زائد آ رہی تھی۔ مارکیٹ میں قیمت بھی اچھی مل رہی تھی۔ میں بہت خوش تھا۔ میں نے جو سوچا تھا۔ وہ پانے والا تھا۔ معاملات طے ہو چکے تھے۔ اس رات سپلائی اٹھانے کے لیے گاڑیاں میرے فارم پر آنے والی تھیں۔ مخصوص وقت آیا تو میرے حکم پر میرے ملازموں نے مرغیوں کو پیٹ بھر خوراک دے دی۔ اس سے وزن میں اضافہ ہو جاتا اور دانہ بھی چاندی کے مول بک جاتا۔ پھر جانے کیا ہوا۔ میری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی۔ کسی پر اسرار بیماری نے اچانک حملہ کیا۔ ایک کے بعد ایک مرغیاں گرنے لگیں۔ ہم کہاں تک سنبھالتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے تیار مال فنا ہو کر رہ گیا اور یوں منافع ملنے کے بجائے لاکھوں کا نقصان ہو گیا۔''

نثار: ''پھر تم نے کیا کیا......؟''

رفیق: ''اس وقت میں بھی یہی بات سوچ رہا تھا کہ اب میں کیا کروں۔ پھر مجھے ایک راستہ سوجھا......''

نثار: ''وہ راستہ کون سا تھا......''

رفیق: ''ایک تو تم سے صبر نہیں ہوتا......''

نثار: ''اچھا...... اچھا...... اب نہیں بولوں گا مگر وہ راستہ کون سا تھا......''

رفیق: ''پولٹری فارمنگ کا کام ناکام ہوا تھا۔ مگر عمارت تو میرے پاس موجود تھی۔ اب میں نے اس عمارت سے فائدہ اٹھانے کا سوچا۔ ایک کام ایسا تھا جو ہم دیہاتیوں کی فطرت میں موجود ہے اور وہ ہے بھینسوں کی پرورش...... پولٹری فارمنگ میں ناکامی کے بعد اب میں نے ڈیری فارمنگ کا کام شروع کیا۔ دودھ دینے والی بھینس دو، دو لاکھ روپے میں خریدی اور دودھ کی فروخت کا کام شروع کر دیا......''

نثار: ''دودھ تو پاک اللہ کا نور ہے اب تو برکت نے تمہارے گھر کا راستہ دیکھ لیا ہو گا......''

رفیق: ''کہاں...... یہی بات تو حیرت والی ہے۔ چار، پانچ ماہ تک تو کام منافع میں چلا۔ پھر اچانک ہی بازی پلٹ گئی۔ تمام بھینسیں ایک ساتھ دودھ دینے سے بھاگ گئی تھیں۔ اب خرچا تو تھا مگر آمدنی نہیں تھی۔ مجھ سے تو بھینسوں کا چارہ ہی پورا نہیں ہوتا تھا۔ تنگ آ کر میں نے دو، دو لاکھ والی بھینس اونے، پونے داموں فروخت کر دیں۔ سب نصیبوں کا کھیل ہے۔ میں سمجھ ہی نہیں پا رہا کہ میں جس بھی کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں۔ نقصان کیوں ہو جاتا ہے۔ سونا، مٹی کیوں بن جاتا ہے......''

نثار: ''بات میری سمجھ میں آ گئی ہے......''

رفیق: ''کون سی بات......''

نثار: ''جب انسان کے اپنے معاملات اس کی سمجھ سے باہر ہو جائیں۔ جب آگے بڑھنے کی صورت نظر نہ آئے۔ جب واپسی کے دروازے بند ملیں تب کسی اللہ والے کی مدد لینی چاہیے......''

رفیق: ''کوئی بزرگ ہے تمہاری نظر میں......''

نثار: ''ہاں...... ہمارے گاؤں کا لوہار......''

رفیق: ''ایک لوہار بزرگ کیسے ہو سکتا ہے......''

نثار: ''احمق...... ان کی زبان میں پاک اللہ نے شفا رکھی ہے۔ تم بس ایک بار میرے ساتھ چلو۔ کیا تم نے نہیں سنا...... دعائے فقیر...... رحم مولا......''

رفیق: ''ہاں سنا ہے...... تو پھر کل چلتے ہیں......''

نثار: ''میں انتظار کروں گا...... وقت پر آ جانا......''

رفیق: ''ٹھیک ہے......''

☆☆☆

دوسرا منظر:

پس منظر: لوہار کی دکان...... لوہار دہکتی ہوئی بھٹی کے پاس بیٹھا ہتھوڑے کی مدد سے گرم لوہے پر ضربیں لگا رہا ہے۔ رفیق لوہار کے پاس مودب بیٹھا ہے۔

لوہار: ''کیا بات ہے بیٹا......''

رفیق: ''آپ تو اللہ والے ہیں...... خود ہی بتا دیں......''

لوہار: ''میں نے کب کہا کہ میں اللہ والا ہوں...... میں تو اللہ کا ایک عاجز سا بندہ ہوں۔ محنت کر کے کھاتا ہوں اور غیب کا علم تو بس اللہ کے پاس ہے۔ اپنی مشکل بتاؤ بیٹا......''

رفیق: ''بابا جی...... مَیں (مَیں پر زور دیتے ہوئے) مَیں نے کھیتی باڑی کی نقصان ہوا، مَیں نے پولٹری فارمنگ کی نقصان ہوا، مَیں نے ڈیری فارمنگ کی نقصان ہوا۔ اب تو مَیں کنگال ہو چکا ہوں۔ کوئی تعویز، کوئی اسمِ اعظم، کوئی ایسا وظیفہ بتا دیں کہ میں کامیاب ہو جاؤں۔''

لوہار: ''مَیں، چھوڑ دے بیٹا...... غرور مت کر...... اللہ کا ہو جا...... اللہ تیرا ہو جائے گا۔ اسمِ اعظم تو اللہ کا ہی نام ہے...... اللہ...... اللہ کر...... تیرے سارے دکھ دُور ہو جائیں گے......''

رفیق: ''آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی......''

لوہار: ''سمجھنے کی کوشش کرو گے تو اللہ سارے پردے ہٹا دے گا۔ تم اندھیرے سے روشنی میں آجاؤ گے......''

رفیق: ''اچھی بات ہے مگر میری تسلی نہیں ہوئی۔''

لوہار: ''دلوں کا سکون اللہ کے ذکر میں ہے بیٹا......''

''حق ہو...... حق ہو۔''

تیسرا منظر:

پس منظر: آدھی رات کا وقت ہے۔ پریشانی کی وجہ سے رفیق کو نیند نہیں آ رہی۔ اس کی بیوی کلثوم اس کے پاس بیٹھی ہے۔

کلثوم: ''آدھی رات گزر چکی ہے...... اب تو سو جائیں......''

رفیق: ''نیند نہیں آتی۔ بے چینی لگی ہوئی ہے...... لوہار بابا کے پاس یہ بات سوچ کر گیا تھا کہ میری مشکل کے حل کے لیے وہ مجھے کوئی تعویز دیں گے۔ ورد کرنے کے لیے اسمِ اعظم بتائیں گے۔ پانی پر دم کر کے دیں گے۔ مگر انہوں نے تو مجھے چار باتوں پر ہی چلتا کر دیا۔''

کلثوم: ''کیا کہا بابا جی نے......''

رفیق: ''وہ کہتے ہیں کہ مَیں (غرور) کو چھوڑ دو...... تو (اللہ) کے ساتھ لو لگا لوں، پاک اللہ ہر مشکل حل کر دے گا......''

کلثوم: ''کیا...... کیا کہا بابا جی نے......''

رفیق: ''بتا تو رہا ہوں...... مَیں چھوڑ دو...... توں کے ساتھ لو لگا لو...... اور کیا بتاؤں...... تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ناں......''

کلثوم: ''بابا جی نے بہت اچھی بات بتائی......''

رفیق: ''کیا مطلب......''

کلثوم: ''ہماری شادی کو پانچ برس بیت گئے ہیں۔ ان پانچ سالوں میں، مَیں نے ایک بات نوٹ کی ہے......''

رفیق: ''کون سی بات......''

کلثوم: ''پہلے آپ میرے چند سوالوں کا جواب دیں گے......''

رفیق: ''ہاں...... پوچھو......''

کلثوم: ''کیا آپ مسلمان ہیں......''

رفیق: ''یہ کیسا فضول سوال ہے......''

کلثوم: ''بتائیں تو سہی......''

رفیق: ''الحمدللہ...... مَیں مسلمان ہوں......''

کلثوم: ''کیا آپ اللہ تعالیٰ پر یقین ہے......''

رفیق: ''ہاں...... مجھے اللہ پر پورا یقین ہے''

کلثوم: ''کیا آپ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے......''

رفیق: ''ہاں...... مجھے یقین ہے......''

کلثوم: ''اب میرا آخری سوال...... جب آپ کو ان تمام باتوں پر یقین ہے تو کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے کیا آپ نے کبھی اپنے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی...... کیا کبھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی مرضی کو شاملِ حال رکھا۔ کیا آپ نے اللہ کے نام پر کبھی کوئی صدقہ، خیرات کیا......''

رفیق: ''بس کر دو کلثوم...... بس کر دو......''

کلثوم: ''آپ ہر وقت مَیں، مَیں کی رٹ لگائے رکھتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر 34)

پیارے بچوں کے لیے سمجھنے کی باتیں

محمد علیم نظامی

پیارے بچو! موسم گرما کی آمد آمد ہے۔ گرمی سے گھبرائیں نہیں بلکہ ہلکے اور باریک کپڑوں کی یونی فارم پہن کر اسکول جائیں۔ آپ جب اسکول جانے کے لیے اٹھیں تو سب سے پہلے نماز ادا کریں اور پھر اپنے امی ابو کو السلام علیکم کہیں۔ اس سے ان کے دلوں میں آپ کے لیے اور پیار بڑھ جائے گا۔ پھر ناشتہ کرنے سے پہلے قرآن پاک کی تلاوت کرنا نہ بھولیے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے پیغمبر حضورؐ کو خوش کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور یہ بھی بات یاد رکھیں کہ موسم گرما میں آپ کے اسکول کا ٹائم ٹیبل یقیناً بدل جاتا ہے اس لیے جب آپ کو اسکول سے چھٹی ہوتی ہے تو اس وقت دوپہر کو ایک یا دو بجے کا وقت ہوتا ہے یعنی اس وقت دھوپ اپنے عروج پر ہوتی ہے اس لیے گرمی میں گھر جاتے وقت اپنے سر اور منہ کو اچھی طرح ڈھانپ کر رکھیں اور جب گھر پہنچیں تو دس پندرہ منٹ تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد لنچ کریں اور اس کے بعد تھوڑی سی نیند لیں اور آرام کریں۔ پھر اٹھ کر شام سے پہلے پہر ٹھنڈے ٹھنڈے پانی میں نہائیں اور باریک کپڑے پہننے کے بعد ہوم ورک کریں اور ایک گھنٹہ تفریح کے لیے وقف کر دیں۔ کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، ٹیبل ٹینس، باکسنگ، اسکوئش کے علاوہ اور بھی کئی کھیل ہیں جو کھیل آپ کو پسند ہو اسے منتخب کر لیں اور روزانہ کسی اچھے اور صاف ستھرے پارک جا کر کھیل کھیلیں۔ جب تھک جائیں تو قدرتی گھاس پر پندرہ سے بیس منٹ تک چہل قدمی کریں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کو جو تھکاوٹ ہوئی تھی وہ ختم ہو جائے گی اور آپ اپنے آپ کو ہلکا اور بہتر محسوس کریں گے۔ علاوہ ازیں کوشش کریں کہ رات کو جلدی سو جائیں اور اگر صبح آپ کے امی یا ابو آپ کو جگائیں تو منہ بسور کر نہ اٹھیں بلکہ ان کا کہنا مان کر اچھے بچوں کی طرح اٹھیں۔ الغرض امی یا ابو کو شرارت کا موقع نہ دیں اور نہ ہی آپ کے استاد یا استانی کے سامنے اچھل کود کریں۔ اگر آپ فرماں بردار بچوں کی طرح سنجیدگی سے اپنی پڑھائی لکھائی کریں گے تو آپ کے اساتذہ اور والدین خوشی کا اظہار کریں گے اور سالانہ امتحان میں اچھی پوزیشن لے کر اپنے نام اور ملک وقوم کے بعد اپنے امی ابو کے لیے راحت کا سامان بنیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی آپ سے راضی ہوں گے اور بہن بھائی بھی مسرت کا اظہار کریں گے۔ آپ والدین اور اساتذہ کو کلاس میں کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دیں اور اپنا فرض ادا کریں۔

کھوج لگائیے

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 مئی 2017ء ہے۔

نام: ______

شہر: ______

مکمل پتا: ______

موبائل نمبر: ______

دماغ لڑاؤ

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 مئی 2017ء ہے۔

نام: ______

مقام: ______

مکمل پتا: ______

موبائل نمبر: ______

ہونہار مصور

مئی کا موضوع ''پھول اور تتلیاں'' ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 مئی 2017ء ہے۔

نام ______ عمر ______

مکمل پتا: ______

موبائل نمبر: ______

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ______ شہر ______

مقاصد ______

موبائل نمبر: ______

ٹ	گ	ل	ک	ز	ف	ذ	د	م	ن
چ	م	س	ج	د	ب	ا	پ	ا	س
ڑ	ش	ط	ھ	چ	و	خ	م	ر	ق
ع	ق	ل	ف	ڈ	ی	ل	غ	ح	ل
ح	ف	ا	و	ط	ط	ا	ر	ا	پ
م	ز	ث	ٹ	ز	ق	ص	ب	ے	ھ
ک	ا	ف	ر	و	ن	م	ی	ر	ا
ح	گ	ث	ٹ	ن	ح	س	د	ش	ی
ش	ہ	ر	م	ع	ت	س	ج	و	گ
ف	ڈ	ھ	ت	ق	ز	گ	ژ	ک	ڑ

آپ نے حروف ملا کر دس چیزوں کے نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان الفاظ کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اُوپر سے نیچے اور نیچے سے اُوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن الفاظ کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

اخلاص، کافرون، فلق، کوثر، مسجد، عمرہ، احرام، طواف، مغرب، حسد

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

درج ذیل دیئے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ قرآن پاک کی پہلی وحی اور دوسری وحی کے نزول کا درمیانی عرصہ کیا کہلاتا ہے؟

i۔ دورِ فترت ii۔ دورِ نبوتؐ iii۔ دورِ حرب

2۔ ارشمیدس نے کون سا مشہور آلہ ایجاد کیا تھا؟

i۔ دوربین ii۔ پنڈولم iii۔ کرین

3۔ کون سا ملک براعظم ایشیا اور براعظم یورپ کو آپس میں ملاتا ہے؟

i۔ یونان ii۔ ترکی iii۔ قبرص

4۔ براعظم افریقہ کے ملک ایتھوپیا کو کس چیز کا چمن کہا جاتا ہے؟

i۔ پھولوں کا چمن ii۔ صحرا کا چمن iii۔ جواہرات کا چمن

5۔ سلطان ٹیپو نے جامِ شہادت کب نوش کیا؟

i۔ 1797ء ii۔ 1798ء iii۔ 1799ء

6۔ مشہور رباعی ''بلغ العلےٰ بکمالہٖ'' کس عظیم علمی و ادبی شخصیت کی ہے؟

i۔ حافظ شیرازی ii۔ شیخ سعدی شیرازی iii۔ عمر خیام

7۔ کون سا جانور خطرہ محسوس کر کے دم سے اپنا نشان مٹاتا چلا جاتا ہے؟

i۔ شیر ii۔ مگرمچھ iii۔ لومڑی

8۔ کافی کا پھل کس صورت میں لگتا ہے؟

i۔ پھول ii۔ پھلیاں iii۔ دانے

9۔ انگلینڈ کی کرکٹ ٹیم کی ٹیسٹ کیپ کا رنگ کون سا ہوتا ہے؟

i۔ سبز ii۔ نیلا iii۔ سرخ

10۔ علامہ اقبالؒ کا یہ شعر بانگِ درا سے لیا گیا ہے مکمل کیجیے۔

ملت کے ساتھ رابطہ استوار کر..........

جوابات علمی آزمائش اپریل 2017ء

1- کراچی 2- کوئی نہیں 3-1193ء

4- موہنجوداڑو 5- ابراہیم غزنوی 6- وسیم حسن راجہ

7- پیتل 8- میک موہن لائن 9- ڈپٹی نذیر احمد

10- جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

اِس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیئے جا رہے ہیں۔

☆ عبدالمغنی وقاص، بہاول پور (150 روپے کی کتب)

☆ طہٰ یاسین، حیدر آباد (100 روپے کی کتب)

☆ محمد عمر اشرف، خانیوال (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی:
فاطمہ شہزاد، طلحہ قطب، محمد اشفاق، مبشرہ عمر، انوشہ فاطمہ، وشمہ خان، سعدیہ، ایم حارث، لائبہ سید، عاتکہ یاسر، لاہور۔ علینا اختر، عائشہ ہارون، محمد اسد، ربیعہ توقیر، کراچی۔ احمد عبداللہ، ملتان۔ رفیق احمد ناز، علیاء وسیم، ڈیرہ غازی خان۔ ملک محمد احسن، محمد مہد بن سلطان، ایمان فاطمہ، مقدس چوہدری، راول پنڈی۔ عالم شیر، ساہی وال۔ آلوینہ گل، کوہاٹ۔ بشریٰ صفدر، تلہ گنگ۔ حذیفہ اظہر، نمرہ ظہور، محمد حذیفہ اویس، محمد عمر، فیصل آباد۔ مائرہ حنیف، مومنہ فیصل، بہاول پور۔ راج ولی خان، نوشہرہ۔ رانا اسامہ اقبال، بھکر۔ حمنہ شاہد، مائرہ مصطفیٰ، اسلام آباد۔ مطیع اللہ، جڑانوالہ۔ محمد غیب ستار، سیال کوٹ۔ احمد عبداللہ، عائشہ نواز، میاں والی۔ آمنہ ندیم، عبداللہ ساجد شیخ، اسعد اللہ ساجد شیخ، سمیع اللہ ساجد شیخ، سعد الرحمٰن، گوجرانوالہ۔ مریم منیر، چونیاں۔ عرفان حسین، محمد صدیق قیوم، ثمن نور، کھڈیاں خاص۔ حمزہ فراز خان، مردان۔ محمد سلمان عبداللہ، غلام نبی، چشتیاں۔ حسن رضا سردار وصفی، خدیجہ نشان، محمد شاہ زیب طارق قادری، محمد عبدالمجید قادری، محمد حبان طارق، محمد اکرام قادری، محمد قاسم علی قادری، کاموکی۔ عبداللہ، محمد احمد، وردہ، جھنگ۔ عزیر رائے، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ محمد عبداللہ ثاقب، پشاور۔ سندس آسیہ، کراچی۔ حلیم اسحاق، جہلم۔ زوہیب مظہر، جڑانوالہ۔ صفی اللہ قدیر، گوجرانوالہ۔ محمد آصف، رضا ندیم، میاں والی۔ محمد عبداللہ، جھنگ صدر۔ فاخر زمان، کرک۔

کوشش کرو اُمید ہے ہو جائے گا

سیدہ فاطمۃ الزہرا، خان پور

''اُمید نے ڈوبتوں کو حیاتِ نو بخشی، اُمید نے مردے زندہ کر دیئے اُمید نے......''

جیسے ہی اشعر نے اپنا تکیۂ کلام شروع کیا احمر جل کر رہ گیا۔ اس نے سٹپٹا کر کہا: ''بھائی آپ ہر وقت ایسے کیوں کہتے رہتے ہیں۔ بھلا اُمید سے بھی کبھی کوئی کام ہوا ہے؟''

اشعر نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر کہنا شروع کیا۔ ''اُمید ایک لامحدود وسعتوں تک پرواز کرنے والا پرندہ ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ کوشش کرو، اُمید ہے ہو جائے گا۔ احمر نے کہا: ''Self done is well done'' لیکن یہ بھی تو ہے کہ ''Ask much to have little''۔ اشعر نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا: ''تم اُمید کی بدولت ہی زندہ ہو۔ صبح کی اُمید رکھ کر سوتے ہو، کام یابی کی اُمید پڑھتے ہو، سراہنے کی اُمید پر لکھتے ہو۔ ٹھیک ہے بھائی! جا سمجھ گیا۔''

تھوڑی دیر بعد وہ پھر بھائی سے مخاطب ہو کر بولا: ''میں نے کوشش کی اور ساتھ میں اُمید رکھی۔'' اشعر نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور بولا: ''ہاں! ناں اُمید کے بغیر کوشش فضول ہے اور کوشش کے بغیر اُمید بے کار۔'' ''جی ہاں بھائی مگر آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''مجھے میرے استاد نے بتایا تھا، وہ اس جملے کو دن میں کئی بار دہراتے ہیں کیوں کہ یہ ایک آزمودہ مقولہ ہے۔''

''آپ استاد کی باتوں کو اتنے غور سے کیوں سنتے ہیں۔ میں تو دھیان نہیں دیتا۔''

اشعر نے کہا: ''استاد اگرچہ بادشاہ نہیں ہوتا مگر بادشاہ گر ہے یعنی بادشاہ بناتا ہے، کیوں کہ وہ تمہارا بھلا چاہتا ہے جو استاد کی بات نہیں سنتا وہ کبھی کام یاب نہیں ہوتا۔ میرے استاد نے کہا تو میں نے اس پر عمل کیا حالاں کہ اُمید اور کوشش جیسے الفاظ ہم بچپن سے ہی سنتے آ رہے ہیں لیکن استاد نے مجھے ان الفاظ کے استعمال کے بارے میں بتایا، ان کا مفہوم سمجھایا۔ استاد والدین کی طرح مکرم ہوتے ہیں۔ صرف پڑھنے کے لیے اسکول جانے کی ضرورت نہیں۔'' احمر نے شرمندہ ہو کر کہا کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔

اشعر نے مسکرا کر اپنی ڈائری کھولی پہلے صفحے پر تحریر تھا:

HOPE

"Hope is the thing with feathers that perches in the world and signs the tunes without words & never stops at all."

اس نے کتاب بند کر کے آنکھیں موند لیں۔ وہ اپنے استاد کے لیے دُعا گو تھا اور ارادہ کر رہا تھا کہ وہ بھی بڑا ہو کر اُمید اور جدوجہد کا پیغام دینے والا معلم بنے گا۔ ان شاء اللہ!

پہلا انعام: 195 روپے کی کتب

توازن

زیب النساء، راہوالی کینٹ

نور بہت پڑھا کو تھی بلکہ اسے کتابی کیڑا کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ وہ تھی بڑی ضدی اور ہٹ دھرم۔ کسی کام سے چمٹ جاتی تو اس وقت تک اس کا پیچھا نہ چھوڑتی جب تک وہ کام اپنے اختتام کو نہ پہنچ جاتا۔ مثلاً جب رونے بیٹھتی تو گھنٹوں روتی رہتی۔ گھر میں جب تک دریائے سندھ نہ بن جاتا اور پاس پڑوس کے لوگ گھڑے بھر بھر کے نہ لے جاتے، تب تک چپ ہی نہ ہوتی۔ بولنا شروع کرتی تو بڑے چھوٹے کی چھٹی کر دیتی اور جب چپ کے دورے پڑتے تو ایسی چپ لگتی کہ پتھر کی مورتی بن جاتی۔

جب میٹرک کرنے کے بعد اس پر مصوری کا بھوت سوار ہوا تو بس پھر کیا تھا......! اللہ کی پناہ...... اور یہ بھوت بھی کوئی عام بھوت نہ تھا۔ کھانے کا ہوش، نہ پینے کی فکر، بس مصوری ہی کے رنگوں میں کھوئی رہتی۔ کتابوں پر، دیواروں پر، فرنیچر پر غرض ہر چیز پر مصوری کے رنگ بکھیر دیے۔ گھر والے سمجھا سمجھا کر تھک گئے مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ حالاں کہ سر میں تو ماشاء اللہ جوؤں کا پورا محلّہ آباد تھا۔

فرسٹ ایئر کے امتحان میں صرف پانچ ماہ رہ گئے تب کہیں جا

کر اسے ہوش آئی اور محترمہ نے پھر سے کتابوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ رات بھر جاگ کر کتابوں میں سر کھپاتی۔ ساری ساری رات کتابوں کے ارد گرد بیٹھی مطالعہ میں مگن ہوتی۔ اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ کتابوں سے اتنی محبت ہونے کے باوجود وہ ان سے دُور رہی۔ مگر دن رات محنت کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ پھر سے امتیازی نمبروں سے کام یاب ہوگئی۔ ضلع بھر میں پہلے نمبر پر رہی۔

فرسٹ ایئر کے امتحان دینے کے بعد وہ فوراً سیکنڈ ایئر کی تیاری میں لگ گئی مبادا کوئی نیا شوق اس سے چمٹ جائے۔

لوگ اس کے بارے میں دل چسپ تبصرے کرتے۔ گھر والے کہتے ''نور تو نیا پاکستان بنا کر ہی رہے گی۔'' سہیلیاں کہتیں ''لگتا ہے سر پر اُلو بننے کا شوق سوار ہے۔'' ٹیچرز حضرات کہتے ''آپ پاکستان بنا رہی ہیں یا توڑ رہی ہیں'' غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ مگر اس نے کسی کی بات پر کان نہ دھرے، اس کے باوجود کہ اس کے پاس اپنے ذاتی دو کان موجود تھے۔

نور کو نیند سے بڑی شکایتیں تھیں۔ نیند کے بارے میں وہ خیال کرتی تھی کہ نیند بڑی ہی نالائق، بد دماغ، بد تمیز اور جاہل قسم کی چیز تھی۔ جب انسان فارغ بیٹھا ہے تو پاس بھی نہیں پھٹکتی جب نصاب کی خشک کتابیں کھولتا ہے تو یہ بن بلائے مہمان کی طرح آدھمکتی ہے اور کوشش کرتی ہے کہ اسے اپنی حسین وادیوں میں گھسیٹ کر لے جائے۔ آخر ہوئی ناں یہ جاہل نیند۔ علم کی سخت دشمن۔

نور کی لگی بندھی ڈگر تو چلتی رہی مگر بہت کم نیند لینے کے سبب اس کا سر چکراتا۔ رات بھر جاگ کر پڑھنے کی وجہ سے دن کو بھی اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچتے رہتے۔ کبھی بخار چڑھ جاتا، کبھی سر چکرانے لگتا۔ اسے غصہ بھی زیادہ آنے لگا۔ وہ بے حد چڑچڑی ہوگئی۔ پھر بھی وہ رات تک پڑھتی رہتی اور انٹر کے پیپر بہت شان دار دیئے۔

اس نے سوچا کہ اب وہ گھوڑے گدھے بیچ کر سوئے گی۔ مگر یہ کیا اس کی نیند تو بہت دُور جا چکی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس سے روٹھ گئی ہے۔ وہ مختلف بیماریوں کا شکار ہوگئی۔ اب وہ جان چکی تھی کہ ہر چیز میں توازن رکھنا انسانی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے۔ وقت پر سونا، وقت پر آرام، وقت پر پڑھنا ہی بہترین زندگی گزارنے کا اصول ہے۔ اس نے نیند کی بہت منتیں کیں مگر وہ اس سے کافی روٹھی ہوئی لگتی تھی۔ نور اپنی نیند کو یاد کرتے ہوئے یہ گیت گا رہی تھی ''اے میری نیند اب تو، تُو آجا۔''

دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب

بوئے گل

عفان احمد خان، کراچی

کچی سڑک کے کنارے بنے وسیع باغ میں زندگی جاگ چکی تھی۔ درختوں کی شاخ پر بیٹھی چڑیوں کی ٹولیاں اللہ کی تسبیح میں مصروف تھیں۔ روشنی پھیل چکی تھی مگر سورج کو بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔

باغ کے ایک کونے پر لگے گلاب نے ہوا کے دوش پر لہراتے ہوئے ایک طائرانہ نگاہ باغ پر ڈالی۔ اس کی نظر سڑک کنارے چنبیلی کے حصے پر جا ٹھہری۔ ایک ننھی سی کلی جھوم رہی تھی۔ گلاب مسکرا دیا۔ ''اے ری چنبیلی، تمہاری کلی تو بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔'' ''شکریہ گلاب چاچو۔'' کلی نے کہا۔ جو ابھی ابھی شبنم سے غسل کر کے فارغ ہوئی تھی۔ ''بس گلاب بھیا، دُعا کریں۔'' بی چنبیلی نے سر پر پتوں کا ڈوپٹہ اوڑھتے ہوئے کہا۔ گلاب نے کلی کو ایک دُعا دے دی۔

کچھ ہی دیر میں اس چمن پر سورج کی کرنیں پڑنے لگیں۔ سب نے اپنے پتوں کو پھیلا لیا تاکہ فوٹو سائنتھسز کا عمل کر سکیں جب کرنیں تیز ہوئیں تو نیم نے اپنے بازوؤں کو پھیلا لیا۔ پتوں میں کھانا محفوظ ہو چکا تھا جو اب پورے جسم میں پھیلنے لگا۔

☆☆☆

''سر! آپ کے لیے یہ راستہ محفوظ رہے گا۔'' منہال نے نقشے پر ایک جگہ ہاتھ رکھا۔ ''ہاں صحیح ہے یہ راستہ سنسان ہے۔ گاڑیوں کی آمدورفت بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔'' افسر خرم نے تائید کی۔

گاڑیاں تیار ہونے لگیں اور خرم احمد پچیس گاڑیوں کے قافلے میں ''شجرکاری'' مہم پر روانہ ہوئے۔

☆☆☆

پورے باغ میں دُھواں بھرا تھا۔ پھولوں کا کھانس کھانس کر بُرا حال تھا۔ ہوا پورے زور سے چل رہی تھی مگر دُھواں پودوں کے اندر گھس گیا تھا۔ بڑی مشکل سے دُھواں باہر نکلا۔ اب باغ اجڑا ہوا، ویران کھنڈر لگ رہا تھا۔ پودے آڑے ترچھے زمین پر پڑے تھے، پتے مرجھا رہے تھے، گلاب کا حال بھی مختلف نہ تھا۔ وہ بڑی مشکل سے کھڑا تھا۔ زہریلا دُھواں اس کے اندر گھس گیا تھا۔ اس

نے ایک نظر باغ پر ڈالی۔ اس کی نظر باغ کے سڑک والے کنارے پر جا ٹھہری۔ چنبیلی کے پہلو میں کھلی کلی مرجھا گئی تھی۔ اس کا بے جان لاشہ مخملی گھاس پر گرا پکار رہا تھا۔

حادثہ ہے کہ خزاں سے پہلے
بوئے گل، گل سے جدا ہوتی ہے
(ناصر کاظمی)

تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب

قیمتی چیز

مدیحہ ادریس مغل، قلعہ دیدار سنگھ

آج میں آپ کو ایک بہت خوب صورت اور قیمتی چیز دکھانے والا ہوں۔" حیدر نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بیگ سے ہاتھ نکالا۔ یہ ایک بہت خوب صورت جیومیٹری بکس تھا جو بہت نفیس اور شفاف پلاسٹک سے بنا تھا۔ حیدر نے ایک بٹن دبایا۔ کلک کی آواز کے ساتھ خوب صورت پینسل کلرز سے سجی سلائیڈ باہر نکل آئی۔ پھر اس نے جیومیٹری کا ایک خانہ کھولا جس میں بہت خوب صورت قلم رکھے ہوئے تھے۔ سب حیرت سے اسی کو دیکھ رہے تھے۔ پھر اس نے ایک بٹن دبایا جس سے پوری جیومیٹری سے رنگ برنگی روشنیاں پھوٹنے لگیں۔ بلاشبہ یہ بہت خوب صورت اور قیمتی جیومیٹری تھی۔ حیدر نے فخریہ نظروں سے سب کو دیکھا اور بولا: "یہ میرے تایا جان خاص طور پر دبئی سے میرے لیے لائے ہیں۔"

☆☆☆

حیدر کو قیمتی چیزیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس کی الماری قیمتی اشیاء سے بھری ہوئی تھی۔ اسے اپنے ان کھلونوں سے بڑی محبت تھی، وہ انہیں سنبھال سنبھال کر رکھتا۔ جب بھی اس کا کوئی رشتہ دار ان کے گھر آتا، حیدر کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور لاتا۔ حیدر تھا بھی بہت پیارا بچہ۔ سب سے نہایت ادب سے بات کرنے والا، سب کا خیال رکھنے والا۔ ہاں ایک خامی تھی وقت کا خیال نہیں رکھتا تھا اور وقت تو صرف اس کا ہوتا ہے جو اس کے ساتھ چلے، جو پیچھے رہ گیا وہ کچلا جاتا ہے۔ لیکن حیدر وقت کی اس طاقت سے انجان تھا۔

☆☆☆

آج حیدر بہت خوش تھا۔ اس کی خالہ نے ایک نہایت خوب صورت گھڑی اسے تحفے میں بھیجی تھی۔ جب شام کو ابو اس کے کمرے میں آئے تو وہ خوشی خوشی اپنی گھڑی دکھانے لگا۔ "دیکھیں ابو کتنی خوب صورت ہے، اس میں کیلکولیٹر چلتا ہے اور میموری کارڈ بھی پلے کرتی ہے۔" وہ خوشی خوشی گھڑی کی خوبیاں گنوا رہا تھا۔ جب ابو اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے: "سالانہ امتحانات کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں حیدر....." "ابھی امتحانات میں پورا مہینہ ہے۔" حیدر نے کہا۔ "ان شاء اللہ دل لگا کر پڑھوں گا۔" اس نے گھبرائے لہجے میں کہا۔ "تم نے ایک مہینہ پہلے بھی یہی کہا تھا حیدر۔" اور حیدر کے پاس سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہ تھا۔

☆☆☆

اگلے دن ابو نے اسے اپنے کمرے میں بلایا۔ "حیدر آج میں تمہارے لیے بہت قیمتی چیز لایا ہوں۔ دُنیا کی قیمتی ترین چیز۔" ابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جلدی دکھائیں نہ ابو۔ کہاں ہے وہ چیز؟ ہے کیا وہ۔" حیدر خوشی سے بولا۔ "ایسی قیمتی چیز ہے کہ اگر اسے کوئی سنبھال کر نہ رکھے تو اس کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے۔ اس قیمتی چیز کا خیال نہ رکھنے سے مشہور بادشاہ نپولین جنگ ہار گیا تھا۔" ابو کہہ رہے تھے اور حیدر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اتنی قیمتی چیز۔ "کیا تم اسے سنبھال کر رکھو گے حیدر؟" انہوں نے حیدر کی طرف دیکھا۔ "ضرور۔ یہ تو بہت قیمتی چیز ہے۔" حیدر نے پُر جوش لہجے میں کہا۔ "جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ قیمتی ترین چیز وقت ہے۔ جو لوگ وقت کا خیال نہیں رکھتے وہ زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ وقت گزر جاتا ہے اور پچھتاوے رہ جاتے ہیں۔" "کیا تم ایسی قیمتی چیز لینا پسند کرو گے جو پچھتاوے سے بچائے اور کامیابیاں دے۔" انہوں نے حیدر سے پوچھا۔ "میں ضرور لوں گا یہ تحفہ اور اب کبھی وقت ضائع نہیں کروں گا۔" وہ ایک عزم سے بولا۔ اس کی ارادے باندھتی آنکھوں میں اس کے اچھے مستقبل کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔

چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب

ادلے کا بدلہ

حسن جاوید گوریجہ، اسلام آباد

اسد اپنی کلاس کے قد آور لڑکوں میں شمار ہوتا تھا۔ قد آور ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا جسم مضبوط بھی تھا۔ اسی وجہ سے اس نے سب لڑکوں پر اپنا رعب رکھا ہوا تھا۔ جب کوئی بات اس کے خلاف مزاج ہوتی تو وہ مرنے مارنے پر اتر آتا تھا۔ اس کے ساتھ

ہی کلاس میں موجود شریف اور خاموش بچوں کا بھی وہ مذاق اُڑاتا رہتا۔ چوں کہ وہ پڑھائی اور کھیلوں میں بھی اچھا تھا، لہٰذا اساتذہ اس کے بارے میں شکایات سے درگزر کر جاتے۔

ایک دن اسد ہاتھ دھونے کے لیے اسکول کے باتھ روم میں گیا تو وہاں عثمان وضو کر رہا تھا۔ سر پر مسح کرنے کے لیے جب عثمان نے ٹوپی اتاری تو اسد اس کا سر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ عثمان کے سر پر چند زخموں کی وجہ سے جگہ جگہ سے بال جھڑ چکے تھے اور سر کے مختلف حصے بالوں سے بالکل خالی تھے۔ عثمان نے شیشے میں اسد کو اپنا سر گھورتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ جلدی سے وضو مکمل کر کے باتھ روم سے نکل گیا۔

اگلی صبح جب سارے لڑکے کلاس میں تھے تو اسد نے اونچی آواز میں کہا: ''میں سوچ رہا ہوں کہ میں بھی عثمان کی طرح ہر وقت ٹوپی پہنے رکھوں۔ لیکن اس کے لیے مجھے عثمان کے بالوں جیسا ہی فیشن کرنا پڑے گا۔'' اس کی بات سن کر سب نے عثمان کو دیکھا جو حالات کو بھانپ کر سر جھکا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اسد پھر بولا: ''کیوں بھئی عثمان! تم ہمیں اپنے بالوں کا سٹائل نہیں دکھاؤ گے؟'' اور ساتھ ہی اسد اور اس کے دوستوں کا قہقہہ بلند ہوا۔

چند دن بعد اسکول میں تقریری مقابلے شروع ہو گئے جس میں اسد بھی شامل تھا۔ جس دن اسد نے تقریر کرنی تھی، اس دن اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔ وہ صبح تقریر کو دہرا بھی نہ سکا۔ جلدی میں تیار ہوا اور اسکول کے لیے پہنچا۔ مقابلہ شروع ہوا۔ اسد کی باری آئی تو وہ بھی اسٹیج پر آیا اور تقریر کرنے لگا لیکن اس کے سامنے بیٹھے لوگ ہنس رہے تھے۔ اس نے تقریر شروع کی تو لوگوں کی ہنسی قہقہوں میں بدل گئی اور ساتھ وہ سب اسد کی طرف اشارے بھی کرنے لگے۔ وہ بہت گھبرا گیا۔ دوبارہ بولنے لگا تو اس کے ساتھیوں میں سے جو اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ ایک نے اس کے کان میں کہا: ''تم نے سویٹر الٹا پہن رکھا ہے۔'' یہ سن کر اسد کا رنگ فق ہو گیا اور اس کو وہ منظر یاد آنے لگا جب وہ عثمان کا مذاق اُڑا رہا تھا اور سب ہنس رہے تھے۔

پیارے ساتھیو! ہمارے پیارے نبی ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کے عیب چھپائے گا، اللہ دُنیا اور آخرت میں اس کے عیب چھپائے گا۔

پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب

علم کی اہمیت

عمر ایک نو سالہ بچہ تھا جو اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ بہت اچھا بچہ تھا مگر وہ پڑھتا نہیں تھا۔ اس کے والدین اسے اتنا سمجھاتے کہ علم ایک خزانہ ہے۔ لوگ اس خزانے کو حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے اور ایک تم ہو کہ ہم روزانہ اسکول بھیجتے ہیں اور تم ہو کہ محنت کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ وہ اپنے والدین کی کسی بات پر دھیان ہی نہ دیتا تھا۔ اس کے والدین کے بہت اصرار کرنے پر عمر نے تھوڑی بہت محنت کر کے اپنی جماعت میں تیسری پوزیشن حاصل کر لی۔ اس کے والدین کے لیے یہی بہت تھا۔ اس کی امی نے عمر کو ''مزیدار کہانیاں'' کی کتاب دی جس میں خوب صورت تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں اور اسے خوب صورت کپڑے بھی بنوا کر دیے۔ ابو نے اسے کھلونے لے کر دیے۔ عمر کو سیر و تفریح کا بہت شوق ہے۔ لہٰذا اس کے ابو نے اسے چھٹی کے دن مری کی سیر پر لے جانے کا وعدہ کیا۔ عمر ننھیا گلی کی سیر سے بہت لطف اندوز ہوا۔ ایوبیا میں ''چیئر لفٹ'' کا اپنا الگ مزہ ہے۔ وہ بھوربن کے بندروں کے ساتھ بھی کھیلا۔ اس دوران عمر کو ایک بچہ ملا جو پرانے کپڑوں میں کھلونے بیچ رہا تھا۔ عمر اس کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اس بچے سے پوچھنے لگا کہ وہ کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے۔ اس بچے نے کہا کہ اس کی امی بہت بیمار ہیں۔ وہ ان کے علاج کے لیے یہ کام کرتا ہے۔ اس بچے نے عمر کو یہ بھی بتایا کہ جب اس کی امی صحت مند ہو جائیں گی تو وہ بھی اسکول جایا کرے گا۔ یہ سن کر عمر نے اس بچے کے ہاتھ میں کچھ روپے تھما دیے۔ اس بچے نے عمر کو بہت منع کیا مگر وہ نہ مانا۔ بچے نے عمر کا بہت شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اب وہ اپنی امی کا علاج کرا لے گا اور باقاعدگی سے اسکول جانا شروع کر دے گا۔ اس کے والدین نے عمر کو پیار سے کہا کہ اب تو تمہیں علم کی اہمیت کے بارے میں معلوم ہو گیا ہو گا۔ اب عمر سب سمجھ گیا تھا۔ اگلی جماعت میں عمر نے دل لگا کر محنت کی اور پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی اس کامیابی پر اس کے والدین بے حد خوش ہوئے۔ پیارے بچو! اب تو آپ جان ہی گئے ہوں گے کہ علم کتنا ضروری ہے تو آپ بھی دل لگا کر پڑھا کریں اور اپنے ملک و قوم کا نام روشن کریں۔

اعزازی کہانی: ایمان مجتبیٰ ملک، فیصل آباد

اینڈ بلائٹن کے ناول ''آئی لینڈ آف ایڈونچر'' سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے

ویران جزیرے کا راز

قسط 1

احمد عدنان طارق

آواز کا راز

یہ بہت ہی عجیب وغریب حالات تھے جن میں معاذ اس وقت مبتلا تھا۔ وہ ایک درخت کے نیچے لیٹا ہوا ریاضی کے سوالات حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور دُور دُور تک اس کے نزدیک کوئی اور نہیں تھا لیکن اس کے باوجود کوئی تھا جو اس سے بار بار باتیں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کوئی کی آواز ایک دفعہ پھر گونجی۔

''بے وقوف! کیا تم دروازہ بند نہیں کر سکتے؟'' معاذ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کوئی دوبارہ جھڑکی آمیز لہجے میں بولا۔ ''اور میں نے تمھیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ اپنے پاؤں دھویا کرو؟'' معاذ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور ایک دفعہ پھر ہونقوں کی طرح اِدھر اُدھر گردن گھما کر دیکھنے لگا لیکن دُور دُور تک پہاڑی سلسلوں کے درمیان ایک سرسبز وادی میں جس درخت کے نیچے وہ لیٹا ہوا تھا، کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ معاذ نے ہم کلامی کی۔ ''شاید میں ہی بے وقوف ہوں، یہاں کون سا دروازہ ہے جسے میں نے بند کرنا ہے اور کون سے قالین بچھے ہوئے ہیں جن پر میں نے پیر صاف کر کے رکھنے ہیں۔ جو بھی اس قسم کی باتیں کر رہا ہے، میرا خیال ہے پاگل ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کوئی انسان دکھائی بھی نہ دے اور اس کی آواز سنائی دے تو ہو سکتا ہے یہ اپنے ساتھ مجھے بھی پاگل کر دے۔'' تبھی ایک بھورے مٹیالے رنگ کے گول مٹول چہرے نے خود کو اس کے سویٹر سے رگڑا۔ یہ معاذ کی پالتو بلی کا بچہ نیمو تھا۔ یہ معاذ کے کئی پالتو جانوروں میں سے ایک تھا۔ معاذ نے اس کی کمر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تو نیمو کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں۔ اسی لمحے اچانک نجانے کہاں سے پھر آواز گونجی۔

''بے وقوف! دروازہ بند کرو اور چھینکو مت، تمھارا رومال کدھر ہے؟'' اب تو معاذ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چلا تھا وہ چلّا کر بولا۔ ''بکواس بند کرو، میں کب چھینکا ہوں اور تم ہو کہاں؟'' لیکن جواباً پھر خاموشی چھا گئی۔ معاذ بہت پریشان تھا، وہ اس طرح کے حالات سے کبھی نہیں گزرا تھا۔ موسم بہت خوبصورت تھا اور دُور دُور تک کوئی نہیں تھا، اس کے باوجود یہ چیختی ہوئی آواز اور اس کا تحکمانہ لہجہ، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ دوبارہ چلّایا۔ ''دیکھتے نہیں، میں کام کر رہا ہوں۔''

''تم نے اگر کچھ پوچھنا ہے تو سامنے آ کر پوچھو۔ چھپنا

بزدلوں کا کام ہے۔'' کوئی دوبارہ بولا۔ ''ٹھیک ہے چچا!'' اس دفعہ آواز کا لہجہ بدلا ہوا تھا اور آواز میں بلا کی شائستگی اور دھیما پن تھا۔ معاذ نے سر پیٹ لیا وہ خود سے بولا۔ ''یا خدا! کیا مصیبت ہے، میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا، مجھے اب اس راز سے پردہ اُٹھانا ہی ہوگا۔ اگر مجھے اندازہ ہو جائے کہ آواز کس سمت سے آ رہی ہے تو میں بآسانی بولنے والے کو ڈھونڈ لوں گا۔'' وہ پھر چلّایا۔ ''تم کہاں ہو؟ سامنے آؤ تاکہ میں تمہیں دیکھ سکوں۔'' اس مرتبہ آواز میں دوبارہ وہی جھڑکنے والا لہجہ تھا کوئی بولا۔ ''میں نے تمہیں ایک دفعہ نہیں، کوئی ایک درجن بار سمجھایا ہے کہ سیٹی مت بجاؤ۔'' معاذ بے چارہ حیرانی سے چپ ہوگیا۔ وہ بالکل سیٹی نہیں بجا رہا تھا، ظاہر ہے کہ اس کا پالا کسی پاگل سے پڑ گیا تھا۔ معاذ کے ذہن میں فوراً ایک خیال آیا کہ اسے کسی بھی حالت میں اس پاگل سے نہیں ملنا چاہیے بلکہ اس سے بچ کر گھر چلا جانا چاہیے۔ اس نے نہایت احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھا، اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہ اجنبی آواز کہاں سے آ رہی ہے لیکن اسے ذرا سا گمان تھا کہ آواز اس کی بائیں طرف سے آ رہی ہے۔ اس نے سوچا کہ ٹھیک ہے میں درختوں میں چھپتا چھپاتا نزدیکی پہاڑی کی دائیں سمت کو جاتا ہوں تاکہ اجنبی اسے دیکھ نہ سکے اس نے اپنی کتابیں اُٹھائیں، پنسل جیب میں رکھی اور کھڑا ہوگیا لیکن اس چیختی چلاتی آواز میں لگائے گئے ایک بلند قہقہے نے اس کی ساری احتیاط غارت کر دی اور وہ پناہ لینے کے لیے قریبی درختوں کے جھنڈ کی طرف بھاگا۔ قہقہہ اچانک خاموش ہوگیا۔

معاذ اب بڑے درخت کے نیچے کھڑا تھا اور سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ گھر واپس چلا جائے۔ وہ آواز دوبارہ گونجی۔ ''میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ اپنے پاؤں صاف کیا کرو؟'' اس فقرے کے بعد کسی نے چیخ ماری تو ڈر کے مارے معاذ کے ہاتھوں سے کتابیں چھوٹ گئیں۔ اس نے اوپر درخت کی جانب دیکھا تو ایک شاخ پر بیٹھا ایک انتہائی خوبصورت سفید رنگ کا توتا نظر آیا جس کی کلغی سنہری رنگ کی تھی جو توتے کے سر ہلانے سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ وہ اپنی چمکیلی سیاہ آنکھوں سے معاذ کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا سر بار بار ایک طرف کو جھکتا اور اس کی خم دار چونچ سے کچھ کھرچنے کی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں۔ معاذ نے توتے کو بے یقینی سے گھورا تو توتے نے بھی جواب میں معاذ کو آنکھیں دکھائیں۔ پھر توتے نے اپنا پنجہ اُٹھا کر ماتھے کو کھرچا جیسے کوئی مفکر سر پر ہاتھ مار کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کی کلغی بدستور اوپر نیچے ہو رہی تھی اور پھر وہ بولا۔ ''چھینکو مت، بے وقوف! کیا تم دروازہ بند نہیں کر سکتے، کیا تمہیں کسی نے آداب نہیں سکھائے؟'' معاذ شدید حیرت سے بولا۔ ''یا خدا! تو یہ تم تھے جو صبح سے آواز نکال رہے تھے، ڈر کے مارے میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔'' جواب میں توتے نے بالکل صحیح چھینک کی نقل اُتاری اور بولا۔ ''تمہارا رومال کدھر ہے؟''

اس دفعہ معاذ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ ''تم دُنیا کے سب سے عجیب و غریب پرندے ہو اور سب سے چالاک بھی لیکن کیا تم اپنے مالک کو دھوکا دے کر یہاں آئے ہو۔'' توتے نے سختی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''اپنے پاؤں صاف کرو۔'' یہ سن کر معاذ دوبارہ ہنسنے لگا، نیچے گھاٹی سے اسے کسی لڑکے کی آواز سنائی دی جو پکار رہا تھا۔ کیکی...... کیکی...... کیکی...... تم کہاں ہو؟'' توتے نے اپنے پَر پھیلائے، ایک دفعہ پھر منہ سے کچھ کھرچنے کی آواز نکالی اور گھاٹی کے دامن میں بنے ایک مکان کی سمت پرواز کرنے لگا۔ معاذ اسے جاتے دیکھ رہا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکا جسے آوازیں دے رہا تھا، وہ یہ توتا ہی ہوگا۔ اس نے دیکھا کہ وہ لڑکا گھاٹی میں بنے ایک گھر کے باہر باغیچے میں کھڑا تھا اور یہ باغیچہ معاذ کے گھر کے قریب تھا۔ معاذ نے دل ہی دل میں خواہش کی کہ کاش یہ لڑکا واقعی وہیں رہتا ہو کیوں کہ اتنے عجیب توتے کے ساتھ رہنا بڑے مزے کی بات ہوگی۔ وہ ویسے بھی ہر وقت کتابوں کا کیڑا بنے رہنے سے اُکتا چکا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ توتے کے ہونے سے اس کا دل لگ جائے گا۔ معاذ کو کچھ ماہ پہلے خسرہ نکل آیا تھا جس سے پچھلے سال اس کی کلاسز چھوٹنے سے اس کا کام کافی ادھورا تھا۔ اس کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس کے چچا کو ایک خط لکھا تھا کہ اسے اسکول کے ہی ایک اُستاد کے گھر کچھ دن رہنے کے لیے بھجوائیں تاکہ وہ اپنا ادھورا کام مکمل کرے اور معاذ کی دعاؤں کے باوجود معاذ کے چچا نے ہیڈ ماسٹر صاحب کی یہ بات مان بھی لی تھی، لہٰذا اب عین گرمیوں کی چھٹیوں کے درمیان معاذ ریاضی، تاریخ اور جغرافیہ کے اسباق یاد

کر رہا تھا، بجائے اس کے کہ وہ اپنی چھوٹی بہن تزئین کے ساتھ گھر میں مختلف کھیل کھیلے۔ ان کا گھر سمندر کے کنارے پر تھا جسے وہ اب یاد کر رہا تھا۔ اسے اپنے اُستاد رائے صاحب بہت پسند تھے لیکن اُن کے ساتھ رہنے والے لڑکوں کو وہ زیادہ پسند نہیں کرتا تھا جو خود بھی کسی بیماری یا کسی اور وجہ سے رائے صاحب سے پڑھنے آئے ہوئے تھے۔ ایک لڑکا عمر میں معاذ سے کہیں بڑا تھا اور دوسرا بالکل ہی دھان پان سا منہ بسورتا ہوا تھا جسے دُنیا بھر کے کیڑوں، پتنگوں اور جانوروں سے بہت ڈر لگتا تھا جنہیں معاذ اکٹھے کرتا رہتا تھا۔ معاذ میں یہ بھرپور خاصیت تھی کہ جانور اس کی طرف کھچے چلے آتے تھے اور اس پر اعتبار کرتے تھے۔ معاذ تیزی سے گھاٹی کی طرف اُترنے لگا تا کہ دیکھ سکے کہ کیا کوئی اور طالب علم بھی رائے صاحب سے پڑھنے آ چکے ہیں اور اگر تو تا واقعی اسی لڑکے کا ہوا تو مزہ آ جائے گا۔ کم از کم اُسے بڑے مسخرے جیسے لڑکے اور دھان پان سے چھوٹے لڑکے سے چھٹکارہ مل جائے گا۔ اس نے باغیچے کا گیٹ کھولا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے دیکھا کہ باغیچے میں ایک لڑکی گھوم رہی تھی۔ لڑکی کی عمر زیادہ نہیں تھی، وہ تقریباً نو، دس سال کی ہو گی۔ اس کے بال مٹیالے بھورے تھے جو تھوڑے بہت گھنگھریالے بھی تھے جبکہ آنکھوں کا رنگ سلیٹی تھا اور اس کے چہرے پر سیاہ نشان تھے جو دُور سے نظر آتے تھے وہ بھی غور سے معاذ کو دیکھ رہی تھی۔ معاذ نے اسے ہیلو کہا۔ وہ اسے شرارتی لگ رہی تھی۔ معاذ نے اسے پوچھا۔ ’’کیا تم بھی یہاں پڑھنے کے لیے آئی ہو؟‘‘ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ یہاں پڑھنے تو نہیں آئی، البتہ اپنے بھائی عزریق کے ساتھ رہنے کے لیے آئی ہے۔ معاذ نے پوچھا۔ ’’عزریق کون ہے؟‘‘

لڑکی نے جواب دیا۔ ’’میرا بھائی ہے جو یہاں پڑھنے آیا ہے لیکن لاپرواہ بہت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بڑا ہو کر پرندوں کے بارے میں تعلیم حاصل کروں گا۔ وہ آرنیتھالوجسٹ بننا چاہتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ پھر یہ نظمیں اور سبق پڑھنے کا اسے کوئی فائدہ نہیں۔ معاذ نے لڑکی سے دوبارہ آرنیتھالوجسٹ لفظ دھرانے کو کہا لیکن دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی کے چہرے پر کتنے تلوں کے داغ ہیں۔ لڑکی نے بتایا کہ آرنیتھالوجسٹ اسے کہتے ہیں جو پرندوں کے بارے میں تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اس نے بتایا کہ عزریق پرندوں سے دیوانہ وار محبت کرتا ہے۔ معاذ نے کہا۔ ’’پھر تو اسے میرے قریب ہی رہنا چاہیے۔ میں سمندر کے کنارے رہتا ہوں جہاں بڑی تنہائی ہے۔ وہاں درختوں کے جھنڈ اُگے ہوئے ہیں، جہاں پرندوں کی بڑی تعداد کا آنا جانا ہے۔ مجھے بھی پرندے بہت پسند ہیں لیکن مجھے ان کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ کیا وہ توتا عزریق کا پالتو ہے؟‘‘ لڑکی نے یہ باتیں سن کر اسے جواب دیا۔ ’’ہاں! وہ چار سال سے عزریق کے پاس ہے اور اس کا نام کیکی ہے۔‘‘ معاذ نے شوق سے پوچھا۔ ’’کیا عزریق نے اسے

تمام باتیں بولنا سکھائی ہیں؟" وہ سوچ رہا تھا کہ بھلے عزیق کے نمبر تمام جماعت سے کم بھی ہوں لیکن توتے کو یہ باتیں سکھانے کے لیے اسے پورے پورے نمبر ملنے چاہئیں۔ لڑکی نے جواب دیا۔ "نہیں نہیں، کیکی نے یہ تمام باتیں سنتے سناتے خود ہی سیکھ لی ہیں اور زیادہ باتیں اس نے ہمارے بوڑھے تایا سے سیکھی ہیں۔ ہمارے تایا دُنیا کے سب سے سخت طبیعت رکھنے والے تایا ہیں۔ ہمارے والدین اب دُنیا میں نہیں رہے، لہٰذا ہمارے تایا کو مجبوری سے ہمیں پالنا پڑا ہے۔ وہ ہم سے محبت نہیں کرتے ہیں، گھر کا ملازم بھی ہم سے چڑتا ہے لیکن کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ میرا بھیا عزیق میرے ساتھ ہوتا ہے۔ میری طرح عزیق بھی خوش رہتا ہے کیوں کہ وہ اپنے پرندوں میں مگن رہتا ہے۔" معاذ سب سن کر بولا۔ "میرا خیال ہے عزیق بھی میری طرح یہاں پڑھنے آیا ہے۔ تم بھی خوش قسمت ہو جو عزیق کے ساتھ آ گئی ہو۔ یہاں تم مرضی سے رہ سکتی ہو اور کھیل سکتی ہو۔ ہماری قسمت بُری ہے، ہم اپنی کتابوں سے مغز ماری کریں گے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "نہیں، میں ایسا نہیں کروں گی۔ میں عزیق کے ساتھ ساتھ ہی رہوں گی۔ میں اس کے ساتھ کھیلنا پسند کرتی ہوں۔" معاذ نے حیرت سے لڑکی کو دیکھا اور بولا۔ "میں اور میری بہن تزئین تو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں، تم تو اپنے بھائی کا بہت خیال کرتی ہو۔" تبھی عزیق نمودار ہوا۔

اس کے بائیں کندھے پر توتا کیکی بیٹھا ہوا تھا جو پیار سے اپنی چونچ کو عزیق کے کان کے پیچھے رگڑ رہا تھا جیسے آہستگی سے عزیق کے کان میں کچھ کہہ رہا ہو۔ عزیق نے پیار سے توتے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اپنی بہن کی مشابہ سلیٹی آنکھوں سے معاذ کو گھورنے لگا۔ اس کے بال اپنی بہن سے بھی مٹیالے رنگ کے تھے اور اس کے منہ پر بھی اتنے تِلوں کے نشان تھے کہ جلد پر کوئی خالی جگہ ڈھونڈنا ناممکن تھا بلکہ تلوں کے نشانات پر لگتا تھا کہ مزید تِل نکل آئے ہوں۔ معاذ نے اسے آتے ہی چھیڑا۔ "کیا حال ہیں تِلوں والے کلچے؟" اور پھر مسکرایا۔ عزیق نے جواب میں کہا۔ "میں ٹھیک ہوں بودی والے لڑکے۔" پھر وہ بھی مسکرا دیا لیکن لاشعوری طور پر معاذ کا ہاتھ اپنے سر پر گیا جہاں اس کی بالوں کی ایک لٹ بودی کی صورت میں سیدھی کھڑی تھی جو وہ کبھی پانی لگا کر یا کنگھی کر کے سیدھا نہیں کر پایا تھا۔ اب بولنے کی باری کیکی کی تھی جو چیخا۔ "اپنے پاؤں صاف کرو۔" لڑکی نے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تمہیں کیکی مل گیا کیکی کو اجنبی جگہیں پسند نہیں ہیں اس لیے وہ اُڑ گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ عزیق نے بہن کو بتایا کیکی زیادہ دُور نہیں گیا تھا اور مجھے پورا یقین ہے کہ کیکی کی باتیں سن کر یہ بودی والا لڑکا ضرور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا ہوگا۔"

معاذ نے اسے بتایا کہ میں واقعی بھاگ نکلا تھا اور پھر دونوں بہن بھائیوں کو سارا واقعہ سنانے لگا۔ وہ تینوں اکٹھے ہنسنے بولنے لگے اور کیکی بھی اس میں شریک ہوگیا۔ وہ ایسے ہنس رہا تھا جیسے کوئی لڑکا ہنس رہا ہو۔ معاذ بولا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں بہن بھائی یہاں آئے۔" وہ واقعی بڑی مدت کے بعد اتنا خوش تھا۔ وہ دونوں بہن بھائیوں سے مل کر بہت خوش تھا۔ وہ انہیں دوست بنانا چاہتا تھا، انہیں اپنے پالتو جانوروں سے ملوانا چاہتا تھا۔ وہ اکٹھے سیر کو جا سکتے تھے۔ عزیق اپنی بہن نایاب سے کچھ سال بڑا تھا۔ وہ کوئی بارہ تیرہ سال کا ہوگا۔ معاذ بھی تقریباً عزیق کا ہم عمر تھا۔ معاذ کو افسوس ہو رہا تھا کہ تزئین وہاں موجود نہیں تھی۔ تزئین بھی نایاب کی طرح نو دس سال کی تھی۔ وہ آسانی اس گروپ میں شریک ہو سکتی تھی لیکن ہو سکتا ہے اس کی جھگڑالو طبیعت کی وجہ سے ایسا نہ بھی ہو۔ معاذ نے سوچا کہ عزیق اور نایاب اس کے اور تزئین سے کتنے مختلف ہیں، صاف ظاہر تھا کہ نایاب اپنے بھائی سے بہت محبت کرتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ شاید ہی کبھی تزئین نے اس کا کوئی کام کیا ہو جیسے دوڑ دوڑ نایاب کرتی تھی۔ پھر لڑکے نے سوچا کہ ہر شخص کی طبیعت مختلف ہوتی ہے، تزئین بھی طبیعت کی بُری نہیں ہے۔ اگرچہ وہ اس کے ساتھ لڑتی جھگڑتی رہتی ہے لیکن اسے پتا تھا کہ وہ اس کے بغیر سمندر کے کنارے گھر میں تنہا ہوگی اور اس کی چچی اس سے کام بھی خوب لے رہی ہوں گی۔ شام کو چائے پیتے وقت سبھی خوشی سے عزیق کے شانے پر بیٹھے توتے کو دیکھ رہے تھے اور اسی کے متعلق فقرے بھی کس رہے تھے، البتہ نایاب بڑے لڑکے کو تنگ کر کے اور دھان پان سے بزدل لڑکے کو گدگدی کر کے مزا لے رہی تھی۔ بچوں کی بوریت دُور ہوتی جا رہی تھی۔ معاذ کو لگتا تھا کہ عزیق اور نایاب کی موجودگی میں پڑھنا، اتنا اکتانے والا تجربہ نہیں ہوگا۔

(باقی آئندہ)

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

مدیرہ تعلیم و تربیت، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

السلام وعلیکم! تعلیم و تربیت ایک ایسا رسالہ ہے جو میں بچپن سے پڑھتی آرہی تھی۔ زندگی کی بھاگ دوڑ میں اتنی مصروف ہوگئی تھی کہ تعلیم و تربیت کو کچھ عرصہ کے لیے موقوف کروانا پڑا۔ کچھ دنوں پہلے صبح اٹھی تھی تو تعلیم و تربیت کو میز پر موجود پایا۔ جو ہاکر نے غلطی سے دے دیا تھا۔ ایک سال بعد تعلیم و تربیت پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ یہ آج بھی ویسا ہی ہے جیسا چھوڑا تھا۔ اللہ اسے دن دگنی رات چگنی ترقی دے۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔

(حفصہ خان، لاہور)

☆ آپ کو دوبارہ خوش آمدید کہتے ہیں۔

السلام وعلیکم! بسم اللہ سے ابتداء ہے میری سدا خوش رہو تم سب یہ دل سے دعا ہے میری۔ شروع کرتے ہیں ہم اللہ کے نام سے سب سے اعلیٰ و ارفع ہے جس کی ذات۔ ہم آئے ہیں آپ کی محفل میں خوش حال۔ بعد اس کے کرتے ہیں ہم حال آپ کے دریافت۔ امید ہے کہ خیر و عافیت سے گزر رہے ہوں گے آپ کے اوقات۔ زندہ رکھے اللہ سب مسلمانوں کو امن و امان کے ساتھ۔ کرسی پر بیٹھ کر لگائے ہوئے ہوں گے تحاریر پر گھات...... تاکہ علیحدہ کر دیں غیر معیاری تحریر ہاتھوں ہاتھ۔ اب کرتے ہیں تعلیم و تربیت شارہ پر ہم کچھ بات ویسے۔ تو پہلے کی طرح ہی ہو رہی ہے اس میں عمدہ تحاریروں کی برسات کیوں کہ واقعی یہ رسالہ ہے بے مثال۔ ہو جاتے ہیں یہ رسالہ دیکھ کر بڑے اور بچے نہال کیوں کہ نام ہے اس کا ماہ نامہ تعلیم و تربیت۔ فی الحال اس میں خط شائع ہونا ہے محال...... ہم نے امید کا دامن نہیں چھوڑا ہے فی الحال ہمارا تو خط شائع ہوا ہے بہرحال......

(محمد صدیق قیوم، کھڈیاں خاص)

☆ اس خوب صورت اور منفرد اندازِ تحریر کے لیے آپ کا بہت شکریہ۔

میرے پیارے تعلیم و تربیت! آداب عرض! سب سے پہلے تو تمہیں میری طرف سے بہت بہت مبارک باد۔ ماشاء اللہ تم تو دن دگنی رات چگنی ترقی کر رہے ہو اور بچوں کے دوسرے رسالوں کے درمیان چاند کی مانند چمک رہے ہو۔ اللہ کرے تم ایسے ہی ترقی کی منازل طے کرتے رہو۔ آمین۔ ارے حیران ہونے کی ضرورت نہیں کہ میں کون ہوں جو تم سے اتنی بے تکلفی سے مخاطب ہوں۔ میں تمہارے لیے اجنبی ضرور ہوں مگر تمہارا اور میرا ساتھ بہت پرانا ہے۔ میں آپ کا قاری ہوں۔ قاری سے مراد پڑھانے والا نہیں۔ یہی سمجھ لیں "پیر نہیں بلکہ آپ کا مرید ہوں۔" اپریل کا رسالہ بہت اچھا لگا۔ اس میں سے معلومات ملیں۔ ہونہار مصور کی تصاویر مجھے بہت پسند آئیں۔ آپ سے ایک درخواست ہے کہ ہونہار مصور کے موضوع کچھ نئے سے دیں۔

تعلیم و تربیت کے بارے میں بھی کچھ معلومات دیں اس کا پہلا شمارہ کب، کس تاریخ، کس سن میں شائع ہوا۔ کارٹون مووِیز کیسے بنتی ہیں اس کے بارے میں تفصیل سے معلومات دیں۔ شکریہ۔

(محمد زبیر جمشید، جہانیاں)

☆ زبیر جمشید! آپ کی شمولیت کا بہت شکریہ۔ آپ کی تجاویز پر غور کریں گے۔

السلام وعلیکم! جیسے ہی قلم اٹھایا تو تعلیم و تربیت کے بارے میں لکھنے پر مجبور ہوئی۔ عہد حاضر میں اس رسالے کا شمار بلند پایہ رسالوں میں ہوتا ہے۔ دور حاضر میں ہر انسان الجھنوں کا شکار ہے۔ ہر انسان اپنی پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایسی چیز کی تلاش میں ہوتا ہے جو اسے ذہنی تسکین سے نوازے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اگر وہ "تعلیم و تربیت" کا سہارا لیں تو اس سے بہتر ساتھی اور کوئی نہیں۔ اس سے دوستی کرنے میں بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ہم اپنے اخلاق درست کر سکتے ہیں۔ اپنی بصیرت و ادراک کی تکمیل کر سکتے ہیں۔ یہ رسالہ ہمیں مثبت طرز فکر سکھاتا ہے۔ ہماری بہترین سوچ کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ غرض جو مزہ اور فائدہ "تعلیم و تربیت" کی دوستی میں ہے، وہ لاجواب ہے۔ میں کہتی ہوں کہ تعلیم و تربیت! تم نے جس گھر میں قدم رکھا اس گھر کو تم جو رونق بخشی، وہ رونق لاجواب ہے۔ اب آتے ہیں اس ماہ کے رسالے کی طرف! اس بار تو کہانیوں نے رسالے کو چار چاند لگا

دیے۔ ''آیئے مسکرایئے'' کی تو کیا بات ہے۔ واہ پڑھ کر مزہ آ گیا۔ پلیز تھوڑی سی تنقید کرتی ہوں ناراض نہیں ہونا آپی جان! ''قسمت کا چکر'' کہانی ستاروں یعنی غیب کے علم پر تھی۔ حالاں کہ غیب کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ایک پیغام سب دوستوں کے لیے! زندگی دو دن کی ہے اسے دو ہی اصولوں سے گزارو۔ رہو: تو پھول کی طرح، بکھرو: تو خوش بو کی طرح۔ (حفصہ اعجاز، صوابی)

☆ حفصہ ڈیئر بہت شکریہ! آپ کا خط پسند آیا۔ آپ کی تنقید و تعریف کے منتظر رہیں گے۔

ڈیئر آپی! کیسی ہیں آپ۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ میں چار سال سے ''تعلیم و تربیت'' باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں لیکن خط لکھنے کی ہمت پہلی بار کر رہی ہوں۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ اگر میرا خط آپ کے رسالے کے معیار کے مطابق ہوا تو مجھے یقین ہے کہ ضرور شائع ہوگا۔ اگر میرا خط شائع نہ ہوا تو میں غصے میں آ جاؤں گی اور...... اور...... اجی! ہماری کیا مجال ہے کہ ہم آپ کو دھمکی دیں۔ ہماری حیثیت تو ہاتھی کے آگے چیونٹی کی سی ہے۔ اگر آپ نے میرا خط شائع نہ کیا تو...... تو میں دوبارہ خط لکھنے بیٹھ جاؤں گی۔ اب اجازت چاہوں گی اگر آپ نے میرا خط شائع کیا تو میں دوبارہ ضرور آؤں گی۔ آخر میں ''تعلیم و تربیت'' کے لیے صرف اتنا کہوں گی۔

تعلیم و تربیت ہے آسمان پہ چمکتا ہوا چاند
کہانیاں ہیں اس کے ستارے
لکھنے والے ہیں اس کے لکھاری
پڑھنے والے ہیں اس کے قاری

یہ شعر میں نے خود بنایا ہے آپ کو کیسا لگا ہے۔ (زویا رفاقت، بھمبر)

☆ زویا ڈیئر اتنا محبت بھرا خط پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ خوش رہیں۔

السلام وعلیکم! ڈیئر آپی کیسی ہیں آپ؟ میں تقریباً دو سال سے تعلیم و تربیت کا قاری ہوں۔ ہر مہینے اس میگزین کے تقریباً ہر سلسلے میں حصہ لینے کی کوشش کرتا ہوں۔ ہمیشہ سے میری یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔ سب سے پہلے عرض کرنا چاہتا ہوں گا کہ میں بھی اپنے خط کو ''ایڈیٹر کی ڈاک'' میں دیکھنا پسند کرتا ہوں لیکن گزشتہ دو ماہ سے میرے خط کو میگزین میں جگہ نہ مل سکی۔ میں مایوس ہوا اور نہ ہمت ہاری۔ البتہ قلم دوبارہ ضرور اٹھایا اور لکھنے پر مجبور ہو گیا۔ پلیز! اس خط کو ضرور شائع کیجیے گا۔ ایک بات اور کہنا چاہوں گا کہ میں نے بھڑ کانہ روپ کے حوالے سے ایک مزاحیہ سفر نامہ تیار کیا ہے۔ کیا یہ قابل اشاعت ہے؟ میں ابھی مارچ میں ہی میٹرک کے امتحان دے کر فارغ ہوا ہوں۔ میرے بہتر نتیجے کے لیے آپ کی دعائیں چاہئیں۔ اپنے خط کا اختتام اس شعر پر کرنا چاہوں گا۔

ورثے میں چھوڑ کر جاؤں گا تعلیم و تربیت کی لگن
میری بھی اگلی نسل یہ ماہنامہ ضرور پڑھے گی

(محمد شماس حسین، بہاول پور)

☆ محمد شماس! اپنی تحریریں ضرور بھیجیں۔ ٹیلی فون پر بھی رابطہ کریں۔ آپ کے خط کا شکریہ۔

پیارے بچو اور ساتھیو! آپ کے بہت سے خطوط ہمیں موصول ہوتے ہیں جو بہت توجہ اور غور سے پڑھے جاتے ہیں جس میں تعریف و تنقید ہمارے معیار کو بہتر کرنے میں مدد دیتی ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ آپ کے تمام پیارے پیارے خطوط شائع کر دیے جائیں لیکن جگہ کی کمی کے باعث ایسا ناممکن ہے لہٰذا آپ سب کے خطوط کا بہت شکریہ اور جن کے خطوط شائع نہ ہو سکے ان سے معذرت۔

جگہ کی کمی کے باعث صرف نام شائع کیے جا رہے ہیں

ارم شہزادی، عبداللہ مسعود، حافظ خنساء اقبال، جہانیاں۔ ابراہیم، اسلام آباد۔ معتصم الٰہی، شیخوپورہ۔ شکیبہ جمیل احمد، حافظ آباد۔ مقدس چوہدری، ایمان فاطمہ، میمونہ نوید، عائشہ خالد، راول پنڈی۔ مریم منیر، چونیاں۔ حافظ عذرا سعید، چکی شیخ جی۔ طلحہ قطب، افراح اکبر، طرب میر، محمد رمیز بٹ، مدثر منظور، لاہور۔ سید تیمور علی، جھنگ صدر۔ ضیغم حسین، پشاور۔ احسن جاوید، جھنگ۔ ثناء لیاقت، حویلی لکھا۔ شاہ زیب اثر، پشاور۔ نورالعین، کشف جاوید، سید عبدالباسط شاہ، حذیفہ اظہر، عمار شاہ، ثمرہ احمد سعید، فیصل آباد۔ محمد منیر، ڈیرہ اسماعیل خان۔ قریشہ فاطمہ فاروقی، رحیم یار خان۔ محمد سفیان شاہین، لودھراں۔ محمد الیاس بھٹی، وھوا۔ حافظ وقاص رؤف، صادق آباد۔ نعمان اعجاز، روبینہ عزیز، جویریہ فاروق، اسلام آباد۔ حلیم اسحاق، جہلم۔ راج ولی خان، نوشہرہ۔

بوگن ویلیا کی خوب صورت پھولوں سے لدی پھدی جھاڑی کے پیچھے سے رانی نکلی تو اس نے اپنی چھوٹی بہن رضیہ کو ڈرے ڈرے، سہمے سہمے، آتے ہوئے دیکھا۔ رضیہ اس کے پاس سے گزرنے لگی تو اس نے جھپٹ کر اسے پکڑ لیا۔

"کیا بات ہے، رضیہ؟" رانی نے پوچھا۔ "تمہارے منہ پر ہوائیاں کیوں اُڑ رہی ہیں؟"

رضیہ نے خوف زدہ آنکھوں سے پیچھے دیکھا اور جھرجھری لے کر بولی "س......س...... سانپ!"

"ادھر، مرغیوں کے ڈربے میں" رضیہ نے کہا "اتنا بڑا!!!" اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دکھائے۔

انڈے جمع کر کے لانا تو رضیہ کو ویسے ہی اچھا نہیں لگتا تھا اور اب تو اسے بہانہ مل گیا تھا اس کام سے بچنے کا۔ اس نے کہا۔ "باجی، باجی۔ اب میں یہ کام نہیں کروں گی۔ بس، اب آپ خود انڈے لایا کرنا۔"

"چلو، میں ہی لاتی ہوں انڈے۔ لاؤ، ٹوکری دو مجھے" رانی نے کہا۔

"ٹوکری تو میں نے سانپ کے اوپر پھینک دی تھی۔" رضیہ یہ کہتی ہوئی مکان کے اندر داخل ہو گئی۔

رانی بڑے سے آنگن کو عبور کر کے مرغی خانے کے دروازے پر پہنچی۔ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے کان لگا کر سنا۔ لیکن اندر سے صرف مرغیوں کے کٹ کٹ کرنے اور چلنے پھرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ اندر داخل ہو گئی۔ وہاں انڈوں کی ٹوکری اُلٹی پڑی تھی اور سانپ کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔

بہر حال، اس نے انڈے جمع کرنے شروع کر دیے۔ ہر مرغی کے خانے میں اسے ایک ایک انڈا ملتا رہا۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ۔ ارے! یہ کیا؟ چھٹی اور ساتویں مرغی کا خانہ خالی تھا...... ان کے انڈے کہاں گئے؟

رانی انڈے جمع کر کے گھر لائی تو رضیہ رات کے کھانے کے لیے دستر خوان بچھا رہی تھی۔ "مار دیا سانپ؟" اس نے پوچھا۔

"مارتی تو جب، جب وہ نظر آتا" رانی کے انڈوں کی ٹوکری کمرے کے کونے میں پڑی ہوئی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تو کیا وہ بھاگ گیا؟" رضیہ فکر مند لہجے میں بولی۔

"یوں ہی سمجھ لو۔ اور ہاں، بھاگنے سے پہلے وہ دو تین انڈے کھا گیا" رانی نے بتایا۔

"نہ بابا۔ پھر تو میں انڈے جمع کرنے ہرگز نہیں جاؤں گی" رضیہ بولی۔ "کم از کم جب تک وہ مارا نہیں جاتا، تب تک۔"

''بھئی، سانپ سے ڈر تو مجھے بھی لگتا ہے'' رانی نے کہا ''لیکن تم سے کم۔''

''کیوں نہ ہم بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا سے کہیں کہ وہ مرغی خانے میں جا کر سانپ تلاش کریں اور اسے مار ڈالیں؟'' رضیہ بولی۔

''ہم کہہ تو دیں۔'' رانی نے اسے بتایا۔ ''لیکن تم ان دونوں کی عادت سے اچھی طرح واقف ہو۔ وہ سانپ تو مار دیں گے لیکن سات سال تک پوری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹتے پھریں گے کہ اس گھر میں دو ایسی لڑکیاں رہتی ہیں جو سانپوں اور کیڑے مکوڑوں سے ڈرتی ہیں۔''

''تو؟''

''تو یہ کہ سانپ ہمیں ہی مارنا ہوگا۔'' رانی نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' رضیہ بولی۔ ''لیکن سانپ کے مرنے تک انڈے جمع کرنے کا کام آپ کو ہی کرنا ہوگا۔''

اگلی صبح تک رانی نے سانپ کے بارے میں ایک ترکیب سوچ لی۔ جب وہ مرغی خانے کی طرف جانے لگی تو بڑے بھیا نے پوچھا۔ ''باغیچے میں جا رہی ہو کیا؟''

''نہیں۔''

''پھر یہ کدال ہاتھ میں کیوں پکڑ رکھی ہے؟''

''بس یوں ہی۔'' رانی نے کہا۔ ''آپ کو اس سے مطلب؟''

بڑے بھیا نے یہ کہتے ہوئے اپنا راستہ لیا۔ ''رات سالن میں مرچیں تیز تو نہ تھیں۔ پھر تمہیں مرچیں کیوں لگ رہی ہیں؟''

مرغی خانے میں رانی ہاتھ میں کدال پکڑے کافی دیر ایک ڈربے کے پاس بیٹھی رہی۔ اس کا خیال تھا کہ سانپ انڈے نگلنے آئے گا اور جوں ہی وہ آئے گا، وہ کدال سے اس کا قیمہ بنا دے گی۔ لیکن شاید سانپ کو پتا چل گیا تھا کہ میری جان کا ایک دشمن ہاتھ میں کدال لیے بیٹھا ہے۔ اسے نہ آنا تھا، نہ آیا۔ جب رانی کو بیٹھے بیٹھے کافی دیر ہوگئی تو اس نے کدال کو دیوار کے ساتھ رکھا اور انڈے جمع کرنے لگی۔

گھر آئی تو رضیہ نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔ ''باجی، باجی۔ سانپ مار دیا؟''

''ارے کہاں، بھئی......'' رانی نے کہا۔ ''آج وہ آیا ہی نہیں۔''

دوپہر کے کھانے کے بعد رانی نے پھر مرغی خانے میں سانپ کا انتظار کیا۔ لیکن وہ پھر نہ آیا۔ شام سے ذرا پہلے وہ بوگن ویلیا کی گھنی جھاڑی کے پیچھے بیٹھی سانپ کے بارے میں سوچتی رہی، سوچتی رہی۔ آخر کار اسے ایک ترکیب سوجھ گئی۔ وہ اس کوٹھڑی کی طرف گئی جس میں ابو کے اوزار رکھے ہوئے تھے۔ وہ ایک گھنٹے تک وہاں ٹھک ٹھک پٹ پٹ کرتی رہی۔ اس کے بعد مرغی خانے میں پہنچی۔ اس نے ایک انڈا وہاں سے اٹھایا اور اس کے ارد گرد ڈوری لپیٹی، اسے لکڑی کے ایک ڈبے میں رکھا اور ڈوری کا دوسرا سرا ایک ڈنڈے میں باندھ کر اسے اس طرح ڈبے کے دروازے میں اڑا دیا کہ جب سانپ انڈا نگلے تو ڈنڈا گر پڑے اور ڈبے کا دروازہ بند ہو جائے۔

''یوں سانپ قید ہو جائے گا اور صبح کو میں اسے مار ڈالوں گی'' رانی نے اپنے آپ سے کہا۔

جب وہ مرغی خانے سے نکل کر گھر کی طرف جا رہی تھی تو راستے میں بڑے بھیا ملے۔ بولے۔ ''بھئی، اوزاروں والی کوٹھڑی میں کس نے گڑ بڑ کی ہے؟''

''مجھے کیا پتا۔'' رانی نے مسکراتے ہو کہا۔

''ضرور یہ تمہاری ہی کارستانی ہوگی۔'' بھیا نے کہا۔ ''میں سمجھ گیا تم وہاں کیا کرتی ہو؟''

رانی نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے بڑھ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ جب کل صبح وہ سانپ کو پکڑ کر مار ڈالے گی تو انہیں خود ہی پتا چل جائے گا۔ پھر وہ اس کا مذاق اُڑانے کے بجائے اس پر فخر کریں گے اور سب پڑوسیوں کو بتاتے پھریں گے کہ ہماری رانی اتنی بہادر ہے، اتنی بہادر ہے کہ......

لیکن اگلی صبح وہ جلدی جلدی مرغی خانے میں پہنچی تو اس نے دیکھا کہ ایک مرغی اس ڈبے میں بند کٹ کٹ کر رہی ہے اور ڈوری میں بندھے ہوئے انڈے کے پاس اس نے انڈا دیا ہے۔

سارا دن وہ دماغ لڑاتی رہی۔ آخر کار اسے ایک ترکیب سوجھ گئی۔ ''اب کی بار سانپ بچ کر نہ جا سکے گا۔'' اس نے سوچا۔

وہ اوزاروں کی کوٹھڑی میں گئی اور بڑی محنت سے لکڑی کا ایک انڈا بنایا۔ اس کے بعد روغن کا ڈبا اٹھایا اور انڈے پر خوب سفید روغن پھیر دیا۔ اب وہ دیکھنے میں بالکل انڈا لگتا تھا۔ وہ روغن

سوکھنے کے انتظار میں وہیں بیٹھی رہی۔ جب روغن سوکھ گیا تو وہ انڈے کو اٹھا کر مرغی خانے میں لے گئی اور اسے مرغیوں کے ڈربے میں رکھ دیا۔

اس کو تمام رات خواب میں سانپ نظر آتے رہے۔ لیکن عجیب بات تھی کہ اس نے تمام سانپوں کو پکڑ پکڑ کر مار ڈالا تھا۔ صبح ناشتے پر اس نے رضیہ سے کہا۔ ''آج سہ پہر کو انڈے تم ہی جمع کرو گی۔''

''کیوں باجی؟'' رضیہ نے پوچھا ''آپ نے سانپ مار ڈالا؟''

''نہیں۔ ابھی نہیں۔'' رانی بولی۔

''مر چکا ہو گا؟'' رضیہ نے حیرت سے رانی کے الفاظ دہرائے۔

''ہاں، بھئی، ہاں۔'' رانی نے کہا۔ ''تب تک سانپ مر چکا ہو گا۔''

''کیا وہ آپ ہی آپ مر جائے گا؟'' رضیہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ارے نہیں، بھئی'' رانی بولی ''میں ماروں گی۔ میں خود۔''

اس نے جلدی جلدی ناشتا ختم کیا اور چل دی۔ مرغی خانے کا دروازہ کھولتے ہی اسے سانپ نظر آ گیا۔ اس کی ترکیب کام یاب ہو گئی تھی۔ سانپ کو انڈے نگلنے کا چسکا لگ چکا تھا۔ وہ صبح سویرے کسی وقت آیا، ایک آدھ اصلی انڈا نگلا اور اس کے بعد لکڑی کا انڈا نگل گیا۔ عام انڈے کو تو نگلنے کے بعد وہ اپنے جسم کو بھینچ کر توڑ ڈالتا تھا۔ لیکن لکڑی کا انڈا اس کے جسم میں ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ اس نے گھبراہٹ میں لکڑی کے فرش کی درز میں گھسنے کی کوشش کی، لیکن اس کے جسم کا اگلا حصہ تو اس کے اندر چلا گیا، وہ حصہ پھنس گیا جس میں انڈا تھا۔

یہی وقت تھا کچھ کرنے کا! رانی نے سانپ کو کھینچ کر درز میں سے نکالا اور کدال کے ایک ہی وار سے اس کی گردن کاٹ دی۔

بڑے بھیا، چھوٹے بھیا اور رضیہ نے رانی کی خوب تعریف کی اور ابو نے اسے انعام میں سو روپے کا ایک کڑکڑاتا نوٹ دیا۔

☆☆☆

فلپائن میں پھلوں کا بادشاہ آم وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ ہر جگہ آموں کے درخت پھلوں سے لدے نظر آتے ہیں۔ آم کی شکل چوں کہ اہم انسانی عضو دل سے ملتی ہے اس لیے فلپائن کے لوگوں نے اس کے متعلق ایک کہانی منسوب کر رکھی ہے۔ بہت عرصہ پہلے ایک گاؤں میں ایک بہت پیاری بچی علیشہ اپنے والدین کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ علیشہ کی امی بہت رحم دل اور نرم مزاج کی خاتون تھیں۔ جب کہ اس کے ابو بہت غصے والے تھے۔ علیشہ کا مزاج اپنی امی کی طرح ہی دھیما اور بہت اچھا تھا۔ وہ پورے گاؤں میں اپنی خوب صورتی اور نیک سیرتی کی وجہ سے مشہور تھی۔ علیشہ کو تعلیم دلوانے کے بعد اس کے والدین نے اس کی شادی کا سوچا۔ بہت سے لوگ چاہتے تھے کہ اچھے مزاج کی مالک علیشہ ان کے گھر آئے۔ مگر ایک نوجوان جس کا نام سماب تھا اس نے علیشہ کے والدین کو شادی کے لیے بہت زور دیا۔ یہ نوجوان بہت امیر تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے والد کی طرح بہت غصے والا بھی تھا۔ علیشہ نے اپنے والد کو بہت منع کیا کہ وہ سماب سے اس کی شادی نہ کریں کیوں کہ اس کا مزاج بہت مختلف ہے مگر اس کے والد کو سماب نے اپنی دولت سے متاثر کر لیا اور شادی کے لیے ہاں کر دی۔ شادی والے دن دونوں گھروں میں بہت چراغاں کیا گیا اور بہت سے لوگوں کو دعوت میں بلایا گیا۔ سب لوگ علیشہ کے کمرے میں آئے دیکھا تو وہ غائب تھی۔ سب گھر والے بہت پریشان ہوئے انہوں نے پورا گھر اور گاؤں چھان مارا مگر علیشہ کا کہیں سراغ نہ ملا۔ شام تک جب سب لوگ علیشہ کو ڈھونڈ کر تھک چکے تھے تب ایک شخص نے علیشہ کو نہر میں گرے دیکھا، وہ مر چکی تھی، اس کے والد کو اپنے فیصلے پر بہت پچھتاوا ہوا سب گاؤں والے علیشہ کی موت سے غمگین تھے۔ انہوں نے روتے روتے علیشہ کو دفن کیا اور اس کے ماں باپ کو تسلی دی۔ ایک رات علیشہ کے والد نے خواب میں علیشہ کو دیکھا، وہ کہہ رہی تھی کہ میں آپ کے لیے اور پورے گھر والوں کے لیے بہت خوب صورت تحفہ لائی ہوں تاکہ سب مجھے ہمیشہ یاد رکھیں۔ آپ میری قبر پر آکر تحفہ دیکھیں۔ صبح ہوئی تو اس کے والد نے خواب اپنی بیوی کو سنایا اور دونوں قبرستان گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ علیشہ کی قبر پر ایک درخت بہت خوش بو دار اور خوب صورت پھلوں سے لدا کھڑا ہے یہ درخت دیکھنے کے لیے سب گاؤں والے جمع ہو گئے۔ درخت پہ لگا دل کی شکل کا پھل آم بہت میٹھا اور مزے دار تھا تب سے آج تک فلپائن آموں سے بھرا پڑا ہے وہاں کے لوگ علیشہ کو یاد کرتے ہیں اور سیاحوں کو بھی یہ کہانی سناتے ہیں۔

☆☆☆

صالحہ کاردار

چوبرجی

راوی کنارے آباد قدیم شہر لاہور، کئی صدیوں سے آباد ہے، اس شہر سے کئی روایات منسلک ہیں جس میں سے ایک روایت ہے کہ دریائے راوی نے "چوبرجی" کو سلام کرنے آنا ہے۔ اس روایت میں کہاں تک سچائی ہے، یہ تو وہی جانتے ہیں، جنہوں نے یہ روایت گھڑی ہے۔

چوبرجی، لوئر مال کے اختتام پر اور ملتان روڈ کے آغاز پر واقع ہے، چوبرجی کی عمارت اس باغ میں داخل ہونے کا راستہ تھا، جسے شہزادی زیب النساء (اورنگ زیب کی بیٹی) نے میا بائی دایہ کے تعاون سے تعمیر کروایا۔ چار میناروں کی وجہ سے اسے "چوبرجی" کا نام دیا گیا۔ یہ دروازہ باغ کے جنوب سے شمال کی طرف بنایا گیا اور اس باغ کی تعمیر میں اس وقت کے حساب سے لاکھوں کی رقم خرچ کی گئی۔

شہزادی زیب النساء 20 شوال 1637ء میں پیدا ہوئیں اور 1646ء میں باغ کی تعمیر شروع ہوئی، اس طرح شہزادی کی عمر اس وقت صرف آٹھ نو سال تھی۔

زیب النساء شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ انہوں نے بچپن میں ہی قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ انہوں نے علم صرف ونحو مُلّا جیون سے حاصل کیا۔ علم فقہ وحدیث کی تعلیم کے علاوہ شعرفہمی کا شوق انہیں مُلّا اشرف کی بدولت حاصل ہوا، جن سے چودہ سال مختلف علوم کی تعلیم حاصل کی تھی۔

جب اورنگ زیب کشمیر جانے کے ارادے سے لاہور آیا تو بیمار ہو گیا، اس نے زیب النساء کو مع شاہی حرم لاہور بلا لیا۔ زیب النساء کو لاہور میں قیام کا خاصا موقع ملا۔ وہ ہمیشہ علمی وادبی مشاغل میں مصروف رہتی تھیں۔ زیب النساء نے ایک مسجد آگرہ میں اور ایک کشمیر میں تعمیر کروائی، دہلی میں وفات پائی اور تیس ہزاری باغ میں دفن ہوئیں۔ ان کا مقبرہ انگریزوں کی آمد تک موجود تھا۔ جب راجپوتانہ...... مالوہ ریلوے لائن 1885ء میں تیار ہوئی تو یہ مقبرہ اس کی زد میں آ گیا۔

یہ باغ 1646ء میں تعمیر ہوا، کہا جاتا ہے کہ ایک دن شہزادی زیب النساء باغ دیکھنے جا رہی تھیں کہ راستے میں انہوں نے لوگوں سے سنا کہ شہزادی زیب النساء میا بائی دایہ کا باغ دیکھنے جا رہی ہیں، تو اسی وقت شہزادی نے اپنی سواری روکنے کا حکم دیا اور باغ میں داخل ہوئے بغیر یہ باغ میا بائی دایہ کو بخش کر واپس چلی گئیں، اسی مناسبت سے "چوبرجی" کے جنوب کی طرف دروازے کی

محراب کے اوپر باقاعدہ یہ شعر کندہ ہے۔

بنا پذیر شد ایں باغ روضہ رضوان
بکشت مرحمت ابن باغ برمیابائی
ردطف صاحب زبیدہ بیگم دوران

اس کے علاوہ دروازے پر نیلے رنگ سے آیۃ الکرسی منقوش ہے اور اس کے آخر میں 1652ء درج ہے۔''چوبرجی'' کی عمارت دو منزلہ ہے۔ اوپر نیچے کئی ہوا دار کوٹھڑیاں ہیں۔ اس کے چاروں طرف چار خوبصورت ہشت پہلو مقطع مینار ہیں، جس کی مناسبت سے اس کو''چوبرجی'' کا نام دیا گیا۔ اس عمارت میں عہد شاہجہانی کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں، ساری عمارت قالبوتی ہے اور اس کے مختلف حصوں میں ایسا تناسب پایا جاتا ہے جو اسلامی فن تعمیرات کا نمایاں جوہر ہے۔ عمارت پر سبز نیلے اور زرد رنگ کی خوش نما ٹائلیں لگی ہوئی تھیں، جو کہ موسم اور آلودگی کی وجہ سے ماند پڑ گئی ہیں، لیکن ان پر کی گئی گل کاری اور نقاشی بہت خوبصورت انداز میں کی گئی ہے، کسی قدر اس کے نقش و نگار کے آثار آج بھی ان ٹائلوں پر موجود ہیں، جو''چوبرجی'' کی عمارت پر لگی ہوئی ہیں۔

کہتے ہیں''چوبرجی'' کی عمارت باغ کی ڈیوڑھی تھی، جو اپنی وسعت اور خوبصورتی اور نقش و نگار کے باعث شالا مار باغ سے کسی طور کم نہیں تھی، ڈیوڑھی کے اندرونی حصے میں دونوں جانب تختے بنے ہوئے ہیں، اور انہی پر کوٹھڑیوں میں داخل ہونے کے لیے راستے بھی ہیں، اس باغ کی ایک حد نواں کوٹ اور میانی صاحب سے ملتی تھی، تو دوسری حد حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار تک پہنچتی تھی، اس باغ کی مغربی دیوار کے نیچے دریائے راوی بہتا تھا، جس وجہ سے اس عمارت کو بہت نقصان بھی پہنچا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے گنبد کافی بوسیدہ ہو چکے ہیں۔

1843ء میں شمال مغربی حصے کا ایک مینار گر گیا تھا اور اس کے تین مینار باقی رہ گئے، جس وجہ سے اسے''چوبرجی'' کی بجائے ''توبرجی'' کہا جانے لگا۔1960ء میں محکمہ آثار قدیمہ نے مینار کو دوبارہ تعمیر کروایا اور ساتھ میں عمارت کی خستہ حالت کی مرمت کروائی گئی۔

آج''چوبرجی'' کی عمارت کو بہتر طریقے سے محفوظ کر لیا گیا ہے اور اس چوک کے درمیان اس کے گرد گول چکر کی حد بندی کر دی گئی ہے اور عمارت کے چاروں جانب لائٹیں لگا کر عمارت کے رات کے منظر کو اور زیادہ دلفریب بنا دیا ہے۔

میا بائی باغ کا دوسرا دروازہ نواں کوٹ موجودہ سمن آباد کی آبادی میں واقع ہے، اس کی شان و شوکت اب وہ نہیں رہی، جو کبھی ہوا کرتی تھی۔ لیکن وہ دروازہ بھی ویسا ہی بنا ہوا ہے، جیسا کہ چوبرجی، مین روڈ پر واقع ہونے کی وجہ سے چوبرجی کی عمارت نمایاں ہے۔ عمارت پر گل کاری اور نقاشی کے کام کی دوبارہ مرمت بھی کی جا رہی ہے۔

☆☆☆

یوم تکبیر

ایٹم ہمارے گرد ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ ہوا، پانی، مٹی، لکڑی، لوہا الغرض کوئی بھی چیز ایٹم سے خالی نہیں۔ ایٹم جب حجم یعنی size میں بہت بڑا ہو جاتا ہے تو اس کو اپنا وجود قائم رکھنا مشکل لگتا ہے۔ جب یہ مشکل حد سے بڑھ جائے تو وہ بڑا ایٹم کچھ شعاعیں خارج کرتا ہے جن کو''تابکاری'' یعنی radioactivity کہتے ہیں۔

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں ایٹم کی تابکاری پر کافی تجربات کیے گئے جس سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اگر ایک بڑے ایٹم کو نیوٹران سے ضرب لگائی جائے تو وہ ایٹم پھٹ جاتا ہے اور بہت زیادہ توانائی خارج ہوتی ہے۔ اس عمل کو ''انشقاق''، یعنی fission کہتے ہیں۔

اس توانائی کا اول اول تو استعمال ہتھیاروں میں ہوا۔ اس ضمن میں جاپان کے دو بڑے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکہ کی جانب سے پھینکے گئے ایٹمی بم سب سے مشہور ہیں۔ ان ایٹمی بموں کے مضر اثرات دیکھ کر ایٹمی بموں کی تیاری اور ترسیل کو محدود کرنے کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ ساتھ ساتھ عملِ انشقاق سے حاصل ہونے والی توانائی کو بجلی بنانے، زراعت اور صنعت کے شعبوں میں استعمال کیا جانے لگا۔

مئی 1998ء میں ہمارے ہمسایہ ملک بھارت نے اپنے صحرائی علاقے پوکھران میں ایٹمی دھماکے کیے اور ساتھ ہی پاکستان پر اپنی دھونس جمانے کی کوشش کی۔ اس کے جواب میں پاکستان میں بلوچستان کے علاقے چاغی میں ایٹمی دھماکے کر کے حساب برابر کر دیا۔ اس سے نہ صرف خطے میں طاقت کا توازن برقرار رہا بلکہ مملکتِ خداداد کے دشمنوں کو احساس ہو گیا کہ پاکستان اپنی حفاظت اور استحکام کے لیے پوری طرح تیار اور مستعد ہے۔ تب سے اب تک، ہر سال، 28 مئی کو یومِ تکبیر کے طور پر منایا جاتا ہے۔

(حسن جاوید گوریجہ، اسلام آباد)

1- ایک ہی ایسا کاریگر
دیکھ اس کا خوب ہنر
بچے وہ دن رات بنائے
ایک سے ایک نہ ملنے پائے

2- ایک سمندر تیس جزیرے
بکھرے ان میں موتی ہیرے
جو بھی ان کی سیر کو جائے
مفت میں موتی ہیرے کو پائے

3- سورج کے جانے پر تین
سورج کے آنے پر دو
صدیوں سے ہوتا آیا ہے
اور قیامت تک یہ ہو

(محمد عادل آصف، قصور)

4- باندھ کر میدان میں آئی
سرپٹخا تو ہوئی صفائی

5- کھاتا ہے نا پیتا ہے
باتیں کر کے جیتا ہے

6- ایک پرزہ جو لے کر آیا
جو مانگا تو اس نے پایا

(حذیفہ اظہر، فیصل آباد)

7- کوئی نہ دیکھے اور دکھلائے
لیکن وہ سب کو تڑپائے

8- سبز چپاتی اوپر دال
سالن ساتھ سفید اور لال
اس پر دیکھو اور کمال
کھاؤ سبز اور اُگلو لال

9- جس کے پاؤں کے نیچے آئے
کانوں کو وہ ہاتھ لگائے

(طلحہ قطب، لاہور)

[illegible]
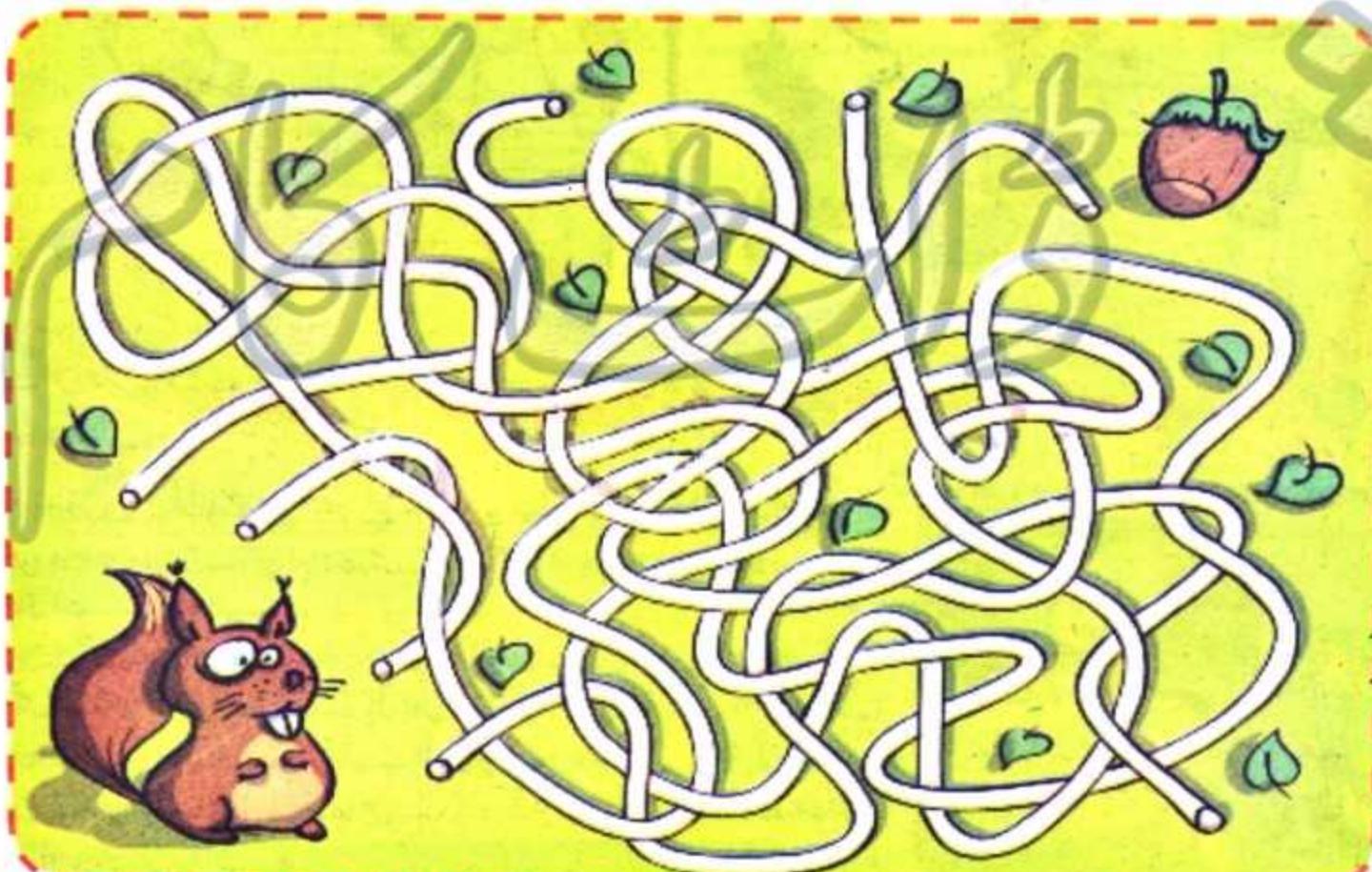
بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجیے اور 500 روپے کی کتب لیجیے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 رمئی 2017ء ہے۔
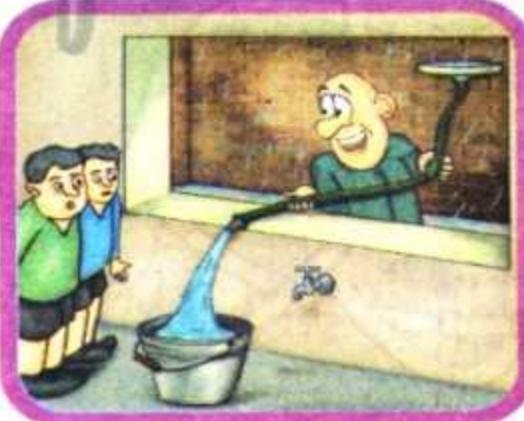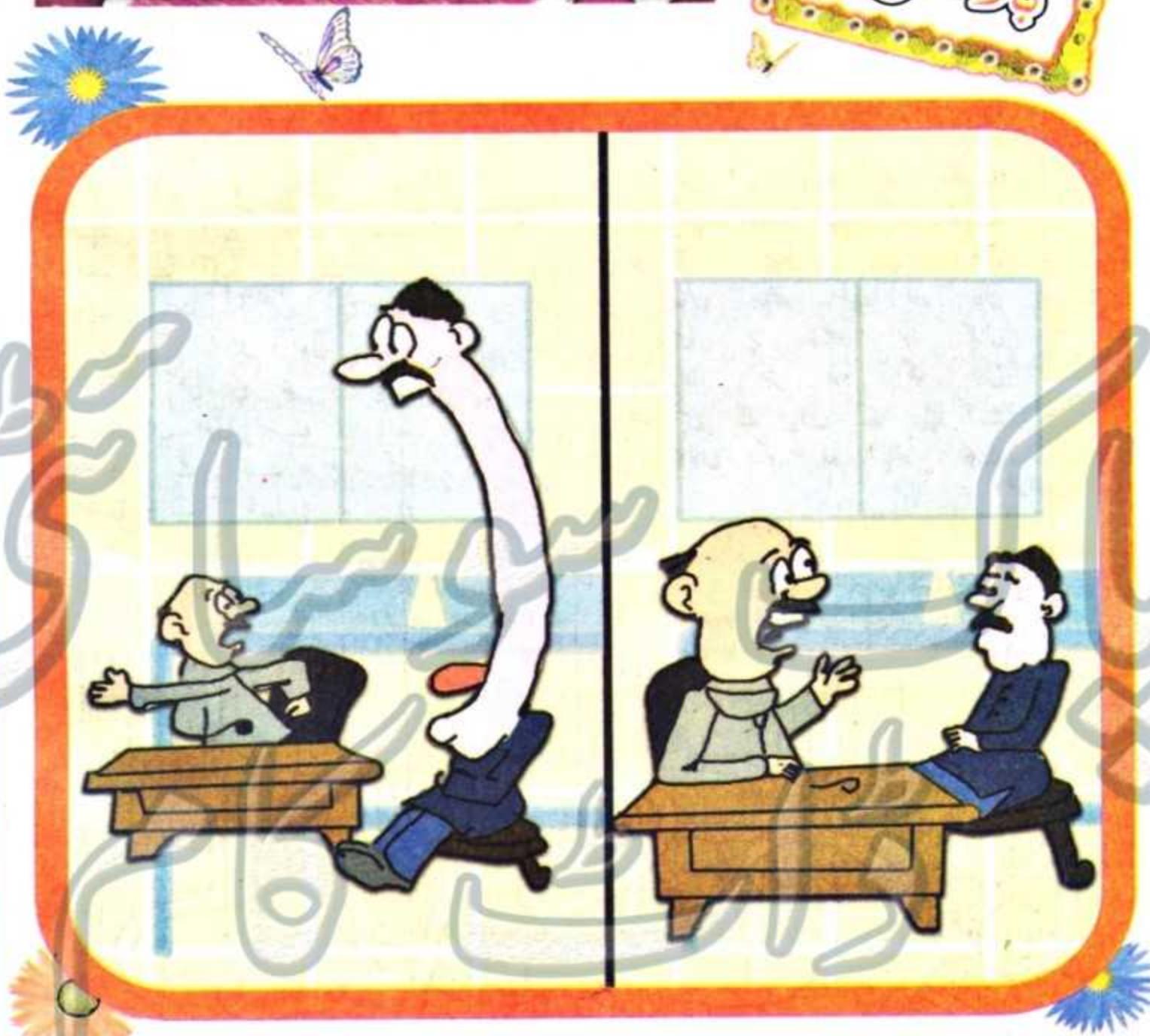
اپریل 2017ء کے ''بلاعنوان کارٹون'' کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- ہر جا تیری عقل کے ہیں لاکھوں جلوے، حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں (صدف آسیہ، کراچی)
- ہم نہیں جانتے تیرا تقاضا کیا ہے، پائپ سے پانی نکال رہے ہو یہ تماشا کیا ہے (احسن جاوید، جھنگ)
- حیران ہوں دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی، بارش کے پانی کی سپلائی عام ہو جائے گی (مہوش قدیر، گوجرانوالہ)
- پانی کی قدر کریں، پانی ضائع ہونے سے بچائیں (حمنہ شاہد، اسلام آباد)
- میری نادانیاں نہ دیکھ، میرا انتظام دیکھ (شمین مقصود، لاہور)

ہونہار مصور

سیدہ تحریم مختار، لاہور (پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)

شاندانہ یار محمد، تنگی چارسدہ (دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)

سلمان یوسف سمیجہ، علی پور (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)

مریم محسن، لاہور (چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)
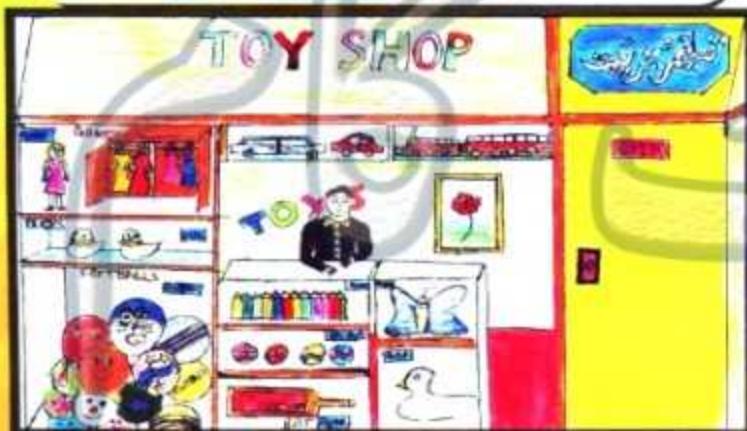
نور فاطمہ، ساہی وال (پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: کشف جاوید، فیصل آباد۔ شیر علی، شیخوپورہ۔ میمونہ نوید، سعد اعجاز، محمد طلحہ بن ممتاز، راول پنڈی۔ مائرہ حمید، بہاول پور۔ حذیفہ حسن، محمد بلال زاہد، لاہور۔ آنیہ کاشف، میاں والی۔ خنساء حسینی، کلور کوٹ۔ ثناء لیاقت، حویلی لکھا۔ ارجمند منال، مسفرہ سلمان، لاہور۔ زوبیہ شفاقت، زارا، میاں والی۔ مائرہ مصطفیٰ، اسلام آباد۔ محمد احتشام الحق، گجرات۔ خنصراء رضوان، ملتان۔ محمد حذیفہ اویس، فیصل آباد۔ عروج ندیم، محمد محسن علی طارق، مائرہ غفور، واہ کینٹ۔ آمنہ توقیر، ارجمند فیضان، کراچی۔ ہادیہ خالق، علیاء وسیم، ظل عباس، ڈیرہ غازی خان۔ زینب محمود، گجرات۔ عیشہ فاطمہ، فیصل آباد۔ محمد علی طارق، ڈیرہ غازی خان۔ فیصل نعیم، مانگا منڈی۔ نفیس صدیقی، لاہور۔ نور محمد، اسلام آباد۔ علیشاہ فاطمہ، قصور۔ صباحت احسان، ملتان۔ نازیہ محمود، ڈیرہ اسماعیل خان۔ بلال شفاقت، میاں والی۔ اعجاز احمد، کراچی۔

مئی کا موضوع
پھول اور تتلیاں

جون کا موضوع
عید کا دن

آخری تاریخ: 3 مئی

آخری تاریخ: 3 جون

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور [illegible] تصویر اسی نے بنائی ہے۔